۱۱۔ ایضاً ص ۱۲۵

۱۲۔ روزنامہ جسارت، کراچی، ۵ جنوری ۱۹۹۵ء

۱۳۔ ابوالفیض قلندر علی سہروردی، ص ۳۰

۱۴۔ الکہف ۲۹

۱۵۔ امام ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب عمری، مشکوٰۃ، کتاب الایمان، دینی کتب خانہ، اردو بازار، لاہور، سن اشاعت ندارد۔

۱۶۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی، تاریخ تصوف، ص ۱۵۱ تا ۱۵۲، علماء اکیڈمی، محکمہ اوقاف پنجاب، لاہور، ۱۹۷۶ء

اسلام کا تاسیسی اصول "تدریج" اور ملت کی حیاتِ نو

محمد عارف خان ساقی٭

اللہ رب ذوالجلال کا بے پایاں کرم ہے کہ اس نے تمام امتوں میں آخری امت کے اعزاز سے سرفراز فرما کر، رہتی دنیا تک کے لئے اپنے مقدس پیغام کی پاسداری اور اس کے فروغ و پرچار کے لئے ہمیں منتخب فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

كنتم خير أمة أخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر وتؤمنون بالله(1)

ترجمہ: تم ہی وہ بہترین امت ہو جسے لوگوں کے لئے میدان عمل میں اتارا گیا ہے، تم "معروف" (بھلائی) کا حکم دیتے ہو اور "منکر" (برائی) سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان بھی رکھتے ہو۔

امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیمات کو یہ عظیم رتبہ ملا ہے تو دو مخصوص حوالوں کے باعث ملا ہے۔ یہ دو حوالے اس کی دو بنیادی ذمہ داریاں ہیں۔ پہلی ذمہ داری ہے انسانی معاشرے میں "معروف" کو فروغ دینا۔ اور دوسری اہم ذمہ داری ہے "منکر" کا سدباب۔

اس مقدس فرض کو نگاہ میں رکھتے ہوئے ہمارے پیش نظر مسلمانان پاکستان کی معیشت و معاشرت کی تطہیر، یہاں سے برائی کا خاتمہ کرتے ہوئے اس کی جگہ بھلائی کو فروغ دینا اور پوری اصلاح و درستگی کے ساتھ اس کو اسلامیانے کا عمل ہے۔ روایتی اعتبار سے اس کے لئے دو راہیں کھلی ہیں۔ اولاً "انقلاب" کا راستہ ہے۔ مگر انقلاب کے فوائد کم اور نقصانات بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ بہت مرتبہ تو ایسا

٭ لیکچرار، شعبہ علوم اسلامی، جامعہ کراچی

ہوتا ہے کہ بکھرتے ہوئے ناسور بھی وقتی طور پر اپنا منہ بند کر لیتے ہیں اور پھر ذرا سنبھل کر اندر ہی اندر زہر گھولنے لگ جاتے ہیں۔ اس طرح کچھ ہی عرصہ میں وہ انقلاب اپنی موت آپ مر جاتا ہے اور قوم صدیوں کسی نئے انقلاب کا صدمہ سہنے کیلئے ذہنی طور پر تیار ہونے کے قابل ہی نہیں رہتی۔ لہٰذا یہ طریق عمل تو قابل عمل نہیں رہ جاتا رہا۔ رہا دوسرا راستہ تو وہ ہے "تدریج"۔ سطور ذیل میں تدریجی طریق کار کے چند پہلوؤں پر کسی قدر تفصیل سے روشنی ڈالی جائے گی۔

تدریج کا لفظ درج یدرج درجاً سے نکلا ہے۔ درجا کا معنی ہے "مراتب میں ترقی کرنا" (۲) درجہ کا لفظ اسی سے ماخوذ ہے۔ سیڑھیوں کے سلسلے کا ہر زینہ بھی "درجہ" کہلاتا ہے۔ اسی طرح درجہ کا لفظ "رتبہ" اور "مرتبہ" کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ درج سے باب تفعیل کا مصدر "تدریج" ہے اور اس کا مطلب ہے: "مراتب میں ترقی دینا" اس باب سے آنے والے کلمے میں چونکہ ٹکڑوں میں بانٹ دینے کا معنی اضافی طور پر شامل ہو جاتا ہے۔ مثلاً انزل کا معنی ہے: "اتارا" جبکہ باب تفعیل سے نزّل کا معنی ہے: "تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا"۔ لہٰذا تدریج کا معنی ہے: اپنے مقصود تک کی پوری مسافت کو چھوٹے چھوٹے درجات میں تقسیم کرتے ہوئے منزل بمنزل یا درجہ بدرجہ معاملے کو آگے بڑھانا اور یوں بتدریج منزل مقصود تک رسائی کی کوشش کرنا۔ حافظ محمد سعد اللہ لکھتے ہیں:

"تدریج کا مطلب درجہ بدرجہ اور آہستہ آہستہ کسی چیز کو اس کی انتہا اور کمال تک پہنچانا ہے" (۳)

قرآن حکیم نے اس معنی میں باب استفعال کا کلمہ استعمال کیا ہے اور یہ دو جگہ پر آیا ہے۔ اولاً سورۃ اعراف میں ہے:

والذین کذبوا بایتنا سنستدرجھم من حیث لا یعلمون (۴)

ترجمہ: اور وہ لوگ کہ جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلا دیا ہے، عنقریب ہم ان کو یوں آہستہ آہستہ قریب کریں گے کہ ان کو کچھ پتا بھی نہ چلے گا۔

چند دیگر معروف و متداول تراجم بھی ملاحظہ کیجئے:

۱ جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو ہم ان کو آہستہ آہستہ پکڑیں گے ایسی جگہ سے جہاں سے ان کو خبر بھی نہ ہوگی (شیخ الہند مولانا محمود حسن)

۲ اور جنہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں جلد ہم انہیں آہستہ آہستہ عذاب کی طرف لے جائیں گے جہاں سے انہیں خبر نہ ہوگی (اعلیٰحضرت فاضل بریلوی)

۳ رہے وہ لوگ جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلا دیا ہے، تو انہیں ہم بتدریج ایسے طریقہ سے تباہی کی طرف لے جائیں گے کہ انہیں خبر تک نہ ہوگی (مولانا مودودی)

دوسری جگہ ہے:

فذرنی ومن یکذب بھذا الحدیث ط سنستدرجھم من حیث لا یعلمون (۵)

ترجمہ: اب میرے حوالے کر دیجئے ان کو جو اس بات کو جھٹلاتے پھرتے ہیں۔ عنقریب ہم ان کو یوں بتدریج آگے بڑھائیں گے کہ ان کو پتا بھی نہ چلے گا۔

اصلاح معاشرہ کے کسی ملک گیر اقدام سے قبل وہاں کے معاشرتی و عمرانی مسائل اور معاشی مشکلات پر ایک نظر ڈال لینا ضروری ہوتا ہے۔ بقول ساحر لدھیانوی ۔

مفلسی حس لطافت کو مٹا دیتی ہے
بھوک آداب کے سانچوں میں نہیں ڈھل سکتی

لہٰذا یہ دیکھ لینا اس سلسلے میں یقیناً سودمند ہوگا کہ وہ کیا اسباب و عوامل اور محرکات تھے جنہوں نے لوگوں کو ایک صاف اور سیدھی راہ سے بھٹکا کر غلط کاریوں میں مبتلا کر دیا۔ استعماری تسلط نے تو رہی سہی کسر پوری کی، اصلاً ایک شتر بے مہار کی طرح ہماری معاشرت، اعلیٰ انسانی اقدار سے کافی پہلے آزاد ہو گئی تھی۔ گویا

کچھ تو تیرے موسم ہی مجھے راس کم آئے
اور کچھ میری مٹی میں بغاوت بھی بہت تھی

چنانچہ ہماری معیشت ہو یا معاشرت زمانہ دراز سے حقیقی اسلامی تعلیمات سے دوری اور ایک حد تک بیگانگی کا شکار ہیں۔ اس کے اسباب و اثرات یوں تو بے شمار طرح کے ہیں مگر ان میں سے حسب ذیل چند پہلو اتنے نمایاں اور ان کے اثرات اتنے گہرے ہیں کہ ان سے صرف نظر کرتے ہوئے کوئی بھی اقدام مطلوبہ نتائج پیدا کرنے کے قابل نہیں ہو سکتا۔

مقامی اثرات

برصغیر میں ہندوؤں کے ساتھ صدیوں پر محیط اختلاط اور میل جول کے باعث ہماری اعتقادی، معاشرتی و معاشی نیز اخلاقی تہذیبی اور تمدنی حالت پر پڑنے والے اثرات کا تعین اور ان کی نشاندہی ضروری ہے۔ صدیوں پر محیط اس ساتھ کے باعث جہاں اہل ہند نے مسلمانوں سے بہت کچھ

لیا اور سیکڑوں برس تک ان کی معاشرت نے ہمارے اوپر بھی بہت گہرے جوابی اثرات ڈالے ہیں۔ ایک غیر محسوس طریقے پر دونوں ایک دوسرے کی روایات کو اپنی اپنی روایات میں ضم کرتے چلے گئے۔ فلموں وغیرہ کی شکل میں موجودہ دور کی ثقافتی یلغار بھی اسی پرانے سلسلے کی ایک تازہ ووم کڑی ہے۔ اور رابطہ بحال برقرار رکھے ہوئے ہے۔ وہاں سے آئے ہوئے بہت سے پرانے رسوم و رواج ہماری معاشرت میں کچھ یوں ضم ہو گئے ہیں کہ آج ان کو الگ کرتے اور چھوڑتے ہوئے لوگ گھبراتے ہیں۔ اس میں آداب معاشرت اور شادی بیاہ کے طور طریقے، اسی طرح خوشی و غمی کے دیگر موقعوں پر اختیار کئے جانے والے انداز و آداب اور رسوم و رواج، عائلی اور عمومی زندگی سے متعلق معاملات مثلاً دوسری شادی کو بنظر عیب دیکھنا اور ایک میاں ایک بیوی کا اصول، مقامی تہواروں مثلاً ہولی اور بسنت وغیرہ کے اثرات شامل ہیں۔

بدیسی اثرات

یہ اثرات عہد غلامی اور انگریزوں کے ساتھ میل ملاپ کا نتیجہ ہیں۔ مسلمانوں میں خواندگی کی انتہائی پست سطح کے باعث بدیسی راج کا ذہنی اور فکری غلبہ سیاسی غلبے سے بھی زیادہ نقصان دہ ثابت ہوا۔ اس میں بعض ایسی چیزیں بھی مستقلاً مسلمانوں میں رائج ہو گئیں جو ان کے اپنے فکر و فلسفے سے متصادم اور ان کی ضد تھیں۔ مثلاً مطالبہ حقوق پر زور۔ حالانکہ اسلامی فکر کی اساس اس کی بجائے ادائیگی فرائض پر ہے۔ حقوق اور فرائض ایک ہی تصویر کے دو رخ ہیں۔ ہر فرض کی بجا آوری سے کسی نہ کسی کا حق وابستہ ہے۔ اس لئے اسلام اس بات پر زور دیتا ہے کہ فرائض بحسن و خوبی ادا کئے جائیں۔ یوں صاحب حق کا حق بھی بحسن و خوبی ادا ہو جائے گا۔

بالفاظ دیگر اسلام کا مرکز نگاہ فرائض ہیں۔ جبکہ اہل مغرب کی ساری توجہ حقوق اور ان کی ادائیگی کے مطالبہ پر مرکوز ہے۔ اس تبدیلی سے نظام افکار پر گہرے اثرات مرتب ہوئے اور اخلاقی حالت بری طرح تباہ ہو گئی۔ محض ٹوٹل پورا کر کے فرض کیا جانے لگا کہ فرض ادا ہو گیا۔ مغربی تہذیبی اثرات بھی انہی راہوں سے ہماری معاشرت کا حصہ بنے ہیں۔ پروفیسر ڈاکٹر برہان احمد فاروقی لکھتے ہیں:

انسانی تہذیب کی چار ہزار برس کی تاریخ کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ صرف گزشتہ ڈیڑھ سو برس سے انسانیت، جدید مغربی تصورات کے زیر اثر آئی ہے۔ اس سے پہلے تمام نوع انسانی کے ذہن پر مشرقی تصورات کی حکومت تھی۔ جب سے حیات انسانی اور اس کی جدوجہد مغربی تصورات کے زیر اثر آئی ہے، اس وقت سے آج تک مجموعی ہلاکت جو انسان کے لئے پیدا ہوئی ہے، اس سے کہیں زیادہ ہے جتنی اس ڈیڑھ سو برس کے علاوہ باقی چار ہزار برس میں پیدا ہوئی تھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسانیت اپنے

مفادات کی بنا پر گروہوں میں بٹ گئی ہے اور یہ گروہ فرائض کے حوالے کے بغیر مطالبۂ حقوق کی اساس پر منظم ہوئے ہیں مگر فرائض کے حوالے کے بغیر مطالبۂ حقوق تصادم کی دعوت کے مترادف ہے۔ اس لئے مطالبۂ حقوق پر منظم ہونے والا ہر گروہ ایک دوسرے سے برسر پیکار ہے یا اس کے لئے تیار ہو رہا ہے حالانکہ زندگی تعاون کا عمل ہے اور اس کے تقاضے عطا و قبول سے پورے ہوتے ہیں اور فرائض کے حوالے کے بغیر حقوق کا نعرہ زندگی کی اس فطرت کے خلاف ہے جس پر اسے وضع کیا گیا ہے۔ لہٰذا کوئی مشترک زاویہ نگاہ پیدا نہیں ہو سکتا اور تضاد و کشمکش اور تصادم ناگزیر ہو جاتا ہے[۲]

صدیوں پر محیط ناخواندگی کا دور

اس کے نتیجے میں جہالت عام ہوئی اور حق پسندی کی جگہ ضد اور ہٹ دھرمی نے لے لی۔ دلیل کی تاثیر جاتی رہی اور "زور و زبردستی" مقابل کرنے کا بہترین اور مؤثر ہتھیار بن گئے۔ اس آفت نے جو سب سے بڑا نقصان پہنچایا اس کی نوعیت ذرا دوسری اور کسی قدر غور کی متقاضی ہے۔ سیاست فرمانروا ہو گئی اور دین محض ایک درباری کا کردار ادا کرنے پر کہیں مامور اور کہیں مجبور ہوا۔ علمی تحقیقات و تدقیقات اور نئی ایجادات کا ذوق ناپید ہو گیا۔ اسلامی تعلیمات کو وقت کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے اور کرتے رہنے کا کام بالکل رک گیا اور مدتوں رکا رہا۔ آج جب ہم اسلامیانے کے عمل کی بات کرتے ہیں تو یہ بھول جاتے ہیں کہ صرف ایمانیات اور اعتقادات کا باب غیر متبدل ہے جس میں انسانی عقل کو مداخلت کی اجازت نہیں ہے۔ جبکہ معاملات اور ان کے پیمانے حالات و زمانہ کے ساتھ ساتھ بدلتے رہتے ہیں اور ایک عرصہ دراز کے انجماد کے بعد انہی پرانے پیمانوں اور باٹوں سے نئے مسائل کو ناپنے اور تولنے کی کوشش کر رہے ہیں جو ایک بے سود عمل ہے۔ یہ ایک طرح سے ایک نومولود کے بچے ہوئے کپڑے اس کے عالم شباب میں اسے پہنانے کی کوشش کے مترادف ہے۔ اس باب میں کرنسی اور معیشت کے مسائل نمایاں تر ہیں۔

قبائلیت

ہمارا عمومی ماحول و مزاج اور ہمارے یہاں کی بنیادی اقدار اسلامی سے زیادہ قبائلی نوعیت کی ہیں۔ آپ ﷺ نے اپنے عہد اقدس میں قبائلی عصبیتوں اور منافرتوں کا خاتمہ فرما کر بنی نوع انسان کو وحدت کی لڑی میں پرو دیا تھا۔ قبائلی امتیازات کا گھن اس معاشرے کو بھی بری طرح چاٹ رہا تھا۔ آپ ﷺ نے فضیلت و برتری کے حقیقی اور قدرتی معیار کو اجاگر کرتے ہوئے آباؤ اجداد اور حسب و نسب پر

فخر سمیت عزت و ذلت کے حوالے سے لوگوں کے خود ساختہ جملہ معیارات اور ان کے نتیجے میں قائم ہونے والے امتیازات کا خاتمہ فرما دیا:

أيها الناس! ان ربكم واحد، وان اباكم واحد، كلكم لآدم و آدم من تراب. أكرمكم عندالله اتقاكم. ان الله عليم خبير. ألا لا فضل لعربي على عجمي ولا لعجمي على عربي ولا لاسود على احمر ولا لاحمر على اسود، الا بالتقوى (۷)

ترجمہ: لوگو! یقیناً تمہارا رب ایک ہے، اور یقیناً تمہارا باپ بھی ایک ہے، تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے بنائے گئے تھے۔ اللہ کی بارگاہ میں تم میں سب سے زیادہ عزت اس کی ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بہت جاننے والا، بہت باخبر ہے۔ خبردار! کسی عربی کا کسی عجمی پر اور کسی عجمی کا کسی عربی پر اسی طرح کسی سفید فام کا کسی سیاہ فام پر اور کسی سیاہ فام کا کسی سفید فام پر فضیلت و برتری کا ہر دعویٰ باطل ہے۔ ہاں مگر تقویٰ کے طفیل۔

اسی طرح آپ ﷺ نے جاہلیت کے سارے دستور بھی باطل کر دیے تھے:

الا كل شيء من امر الجاهلية تحت قدمي موضوع (۸)

ترجمہ: جاہلیت کے ہر دستور کو کچل دیا گیا ہے۔

مگر یہ صورتحال زیادہ عرصہ برقرار نہ رہ پائی۔ کچھ ہی عرصے میں قبائلیت نے اسلامی تعلیمات میں اپنے جواز کے پہلو ڈھونڈ نکالے۔ خلافت راشدہ کے اختتام کے بعد اس کو ترقی کے لئے بہت سازگار ماحول میسر آیا اور خوب پھلی پھولی۔ ڈاکٹر محمد صدقی، اسلامی سیاست و معاشرت میں عصبیت جاہلیہ کی واپسی اور پھر سے اثر و نفوذ پیدا کر لینے اور ماحول پر چھا جانے کے بارے میں لکھتے ہیں:

كانت نهاية الخلافة الراشدة واستحكام الدولة الاموية، التي كانت عربية أكثر منها اسلامية، وكانت ملكا أقرب منها خلافة، كانت انتقالا جديدا في تاريخ الاسلام وفرصة انتهزتها الجاهلية التي كانت بالمرصاد، فعاشت النزعات الجاهلية التي قضى عليها الاسلام وعادت العصبيات القبلية والنخوة الجاهلية التي نعاها النبي ﷺ بقوله: ان الله قد أذهب عنكم النخوة الجاهلية تعظمها بالآباء. (۹)

ترجمہ: خلافت راشدہ کا اختتام اور دولت اُمویہ کا استحکام، جو کہ اسلامی سے زیادہ عربی مزاج کی حامل تھی اور خلافت سے زیادہ ملوکیت تھی، تاریخ اسلامی کی ایک نئی قلابازی تھی۔ یہ ایک ایسا موقع تھا کہ جسے جاہلیت نے، جو کب سے گھات لگائے تاک میں بیٹھی تھی، بہت غنیمت جانا۔ اس کے نتیجے میں قبائلی

تنازعات، جنہیں اسلام نے دفن کر دیا تھا، پھر سے اٹھ کھڑے ہوئے اور وہ قبائلی عصبیت اور عہد جاہلیت کی نخوت بھی واپس آ گئی جس کی موت کی اطلاع نبی اکرم ﷺ نے ان الفاظ میں دی تھی: "یقیناً اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کی نخوت اور اس کا خاصہ آباء و اجداد پر فخر و غرور تم سے دور کر دیا ہے۔"

آج بھی ہماری معاشرت بنیادی طور پر قبائلی ہی ہے۔ بلکہ قبائلیت، عہد بنی اُمیہ کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ راسخ ہو چکی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اس نے دھوکے میں رکھنے کے لئے شریعت اسلامی کی چادر کی بُکل مار رکھی ہے اور اسلام کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے۔ اس کا اندرونہ اور بیرونہ ایک نہیں۔ حتیٰ کہ کوئی بھی قضیہ آج پیش آ جائے، ہم اس کا حل پہلے اپنی قبائلی اقدار و روایات کی روشنی میں ہی تلاش کرتے ہیں۔ کوئی اور چارہ نہ بچے تو دیگر ذرائع تلاش کرتے ہیں۔ اپنے معاملات کو اسلامی اصولوں کا پابند رکھنے اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں انہیں جانچنے پرکھنے کی نوبت کم ہی آتی ہے۔

فرقہ وارانہ کشیدگی

فرقہ وارانہ کشیدگی کے باعث خود مسلمان بھی اسلام کے ساتھ انصاف نہیں کر پائے۔ اقوامِ عالم کے مقابلے پر کمزور پڑتے گئے اور ہوتے ہوتے ان کی ہوا تک اکھڑ گئی۔ قرآن مجید نے فرقہ واریت سے متعدد مقامات پر اور مختلف پیرایوں میں روکا ہے:

يايها الذين امنوا اتقوا الله حق تقته ولا تموتن الا وانتم مسلمون ○ واعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرقوا ۖ واذكروا نعمت الله عليكم اذ كنتم اعداء فالف بين قلوبكم فاصبحتم بنعمته اخوانا ۚ وكنتم على شفا حفرة من النار فانقذكم منها ۗ كذلك يبين الله لكم ايته لعلكم تهتدون (۱۰)

ترجمہ: اے ایمان والو! ڈرتے رہو اللہ تعالیٰ سے جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور مرنا تو اسلام پر ہی مرنا۔ اور بچالو اپنے آپ کو سب اللہ تعالیٰ کی رسی سے وابستہ رہ کر اور تفرقہ بازی مت کرنا، اور یاد کرو اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں کو باہم دگر جوڑ دیا تو تم ایک دوسرے کے بھائی بھائی بن گئے، اور تم آگ کے ایک گڑھے کے کنارے پہنچ چکے تھے کہ اس نے تمہیں اس سے بچا لیا۔ اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ اپنی آیات کو تا کہ تم راہ راست پکڑو۔

واطيعوا الله ورسوله ولا تنازعوا فتفشلوا وتذهب ريحكم واصبروا ۗ ان الله مع الصبرين (۱۱)

ترجمہ: اور اطاعت گزار رہو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے اور آپس میں مت جھگڑو کہیں تم کمزور ہو جاؤ اور تمہاری ہوا بھی اکھڑ جائے اور صبر کرتے رہو، یقیناً اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

امت کی وحدت کو قائم رکھنے اور دین کو ٹکڑے ٹکڑے نہ کرنے کے بارے میں ارشاد ہے:

وان هذه امتكم أمة واحدة و انا ربكم فاتقون ○ فتقطعوا امرهم بينهم زبرا ط كل حزب بما لديهم فرحون ○ فذرهم في غمرتهم حتى حين (۱۲)

ترجمہ: اور یقیناً تمہاری یہ اُمت ایک ہی اُمت ہے اور میں تمہارا رب ہوں پھر مجھی سے ڈرو۔ بعد ازیں اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے انہوں نے آپس میں بانٹ لیا، ہر گروہ کے پاس جو کچھ ہے وہ اسی پہ خوش ہے۔ تو رہنے دیجئے ان کو اپنی اسی مستی میں ایک وقت تک۔

ان واضح اور روشن تعلیمات کے باوجود فرقہ واریت ملی وحدت کو پارہ پارہ کرنے میں کامیاب ہوگئی تو اس کی وجہ شعور کی کمی اور جہالت و نادانی کی فراوانی ہی ہو سکتی ہے۔ اس دور میں اسلام کو فرقہ وارانہ اشتعال انگیزی اور منافرتوں سے جو خطرات لاحق ہیں، باقی تمام خطرات یکجا ہو کر بھی اس ایک کے ہم پلہ تو کیا اس کا عشر عشیر بھی نہیں ہو سکتے۔ بہر حال یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ ہم جو کچھ بھی کر رہے ہیں، اپنے قومی وقار اور اپنی آئندہ نسلوں کی قیمت پر کر رہے ہیں۔

معروضی حالات

آج ہمارے ماحول و معاشرے کی عمومی صورتحال کچھ ایسی ہی ہے کہ لوگ محض ظن و تخمین پر اپنے افکار کی بنیاد رکھ لیتے ہیں اور پھر ان کی ساری زندگی انہی افکار کے گرد گھومتی رہتی ہے۔ خواندگی کی سطح بہت نیچی ہے۔ مگر شعور کی سطح اس سے بھی پست تر ہے۔ پڑھا لکھا کہلانے والے افراد میں یہ غلط فہمی عام ہے کہ وہ پڑھے لکھے ہیں اور ہر حال میں وہ پڑھے لکھے ہی رہیں گے۔ دنیا و مافیہا سے بیگانہ و لاتعلق اور بے خبر رہتے ہوئے بھی اور مطالعہ اور تحقیق کے بغیر بھی۔ کیونکہ ان کے پاس اعلیٰ تعلیم کی ڈگری آگئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے پڑھے لکھے افراد کی بھاری اکثریت کچھ ایسا ہی مزاج بنائے ہوئے اور کچھ ایسی ہی کیفیت سے دوچار ہے کہ کامیابی کے لئے اہلیت شرط کا درجہ نہیں رکھتی کامیابی کی شرط بااثر افراد میں مقبولیت ہے۔ اور اس مقصد کے حصول کے لئے مطالعہ و تحقیق سے زیادہ عوامی روابط کو فروغ دینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ بدقسمتی سے ایسے مظاہرے بھی عام ہیں۔ جس کی وجہ سے نئی نسل کا ذہن بری طرح متاثر ہو رہا ہے۔ عددی برتری کے باعث پورے ماحول و معاشرے پر ان افراد کے گہرے اثرات

ہیں۔ اعلیٰ تعلیم کے مراکز میں بھی اہلیت کو ہنوز اس کا جائز اور حقیقی مقام نہیں مل سکا ہے۔ راہ حق پر استقامت کا حوصلہ رکھنے والے بے بسی کے عالم میں تماشا دیکھتے دیکھتے پتھرا سے جاتے ہیں۔ ہمیں یہ بات ذہن نشین کرنی اور اوروں کو بھی کروانی ہوگی کہ آج اعلیٰ تعلیم کی ڈگری تعلیم یافتہ کی بجائے حصول علم کے قابل بناتی ہے اور حقیقی معنوں میں پڑھا لکھا شخص بس وہی ہے جو ڈگری کے حصول کے بعد بھی اپنے آپ کو پڑھائی لکھائی کے عمل سے مسلسل وابستہ رکھتا ہے۔ اور مطالعہ و کتاب کے ذریعے اپنی فکر کو تازہ دم اور صحت افزا غذا کی فراہمی مسلسل جاری رکھتا ہے۔ اس طریقے پر ہی انسان کی فکری صلاحیتیں تازہ دم، صحتمند اور جوان رہ سکتی ہیں۔ فکری صلاحیتوں کو جلا بخشنے والے اساتذہ خواہ کتنے ہی قابل کیوں نہ رہے ہوں اور سوچ و فکر کے ہیرے کو تراشنے کے عمل میں خواہ کتنی ہی مہارت کا انہوں نے مظاہرہ کیوں نہ کیا ہو، مطالعہ و تحقیق سے دور ہو جانے اور دور رہنے کے بعد ان اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد کی فکر کا بیمار، فرسودہ و از کار رفتہ ہو جانا یقینی ہوتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے ایک اچھا بھلا ہوشمند اور سمجھدار انسان کسی رنگ برنگی تقریب کے دوران بے خبر ہو کر سو جائے اور اٹھنے کے بعد اس تقریب میں ہونے والی سرگرمیوں کے بارے میں اوروں سے سرسری طور پر کچھ سن سنا کر ان سرگرمیوں کی اونچ نیچ پر اچانک تبصرہ شروع کر دے تو اس کے تبصرے میں وہ جان نہیں ہوگی جو کسی بیدار اور بیدار مغز رہ کر پوری تقریب کا مسلسل جائزہ لیتے رہنے والے شخص کی گفتگو میں ہوگی۔ معاشرے پر اس خرابی کا ایک مضر اثر یہ بھی ہے کہ ہمارے یہاں کے لوگوں کی اکثریت اگر رہنمائی لیتی بھی ہے تو ایسے ہی افراد سے لیتی ہے جن کی اپنی سوچ و فکر تازہ دم نہیں ہوتی۔ یہ وہ بنیادی وجہ ہے جس کی طرف لوگ دھیان دینے کی زحمت نہیں کرتے اور اس کی وجہ سے ہمارے یہاں کی عمومی اور قومی سوچ و فکر اور شعوری ترقی کی رفتار بہت سست ہی رہتی ہے۔ دوسری اقوام کے لگ بھگ نصف صدی پرانے اور متروکہ سماجی رویوں اور افکار و نظریات کو ہمارے یہاں خوب پذیرائی ملتی ہے اور بڑے زور و شور سے ان سماجی تجربات کی وکالت تک کی جاتی ہے۔ تو اس کا بھی ایک بنیادی محرک یہی ہے۔

اس طرح کے بہت سے عوامل نے مل کر ہر آدمی کو ایک خود حفاظتی دفاعی خول میں بند کر دیا ہے۔ لوگوں کی اپنی دانست میں یہ ایک طرح سے ان کی بقا کا مسئلہ بن گیا ہے۔ اور یہ تو سب جانتے ہیں کہ بقا کا درجہ اصلاح سے پہلے ہے۔ یا بالفاظ دیگر باقی بچیں گے تو ہی تو اصلاح ہوگی اور اگر باقی ہی نہ بچے تو اصلاح کیسی؟ اس کیفیت سے دوچار افراد اور قومیں ہر تبدیلی کو شک کی نظر سے دیکھنے کی عادی ہوتی ہیں۔ اور برتنے پا پرکھنے کی بجائے اس سے نفرت کرتی ہیں۔ یوں اپنا یہ مشترکہ وقت ایک خود ساختہ دفاعی اور

حفاظتی خول میں بند رہ کر گزار دیتی ہیں۔ اس خول کو "جہالت" سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اس میں بات حق اور دلیل کی نہیں ضد اور ہٹ دھرمی کی ہوتی ہے۔ لہٰذا اگر معاشرے میں رہنے بسنے والے افراد کی ایک بھاری اکثریت اسی طرح کے خول میں بند ہے اور وہ سمجھتی ہے کہ تبدیلی حالات سے ان کے وجود اور ان کی بقا کو خطرات لاحق ہیں تو سمجھنا چاہئے کہ یہ عہد، عہد جاہلیت جدیدہ ہے۔ اور ہم پوری طرح ایک عہد جاہلیت کی دلدل میں پھنسے ہوئے لوگ ہیں۔ یہ صورتحال چند صدی قبل پورے عروج اور شباب پر تھی۔ پورے عالم اسلامی پر استعماری راج مسلط تھا۔ اور ایک جونک کی طرح عالم اسلامی کی رگوں سے رہی سہی توانائی بھی چوس رہا تھا۔ مگر پھر حالات نے پلٹا کھایا اور مسلمان بیدار ہونا شروع ہو گئے۔ درس گاہیں پھر سے آباد ہونے لگیں۔ یہ ایک طرح سے نو زائدگی کا زمانہ ہے۔ آج سند یافتہ علماء کے ساتھ ساتھ حفاظ کی ایک بڑی تعداد موجود ہے۔ اعلیٰ اسلامی اور انسانی اقدار و روایات کو اپنے ذاتی اور عارضی مفادات پر ترجیح اور اہمیت دینے کی ہمت اور حوصلہ رکھنے والے افراد کی تعداد میں روز بروز اور خاطر خواہ اضافہ ہو رہا ہے۔ اور بہت سے لوگ جاہلیت کے تراشے ہوئے دفاعی حفاظتی خول سے باہر نکلنے پر آمادہ ہیں۔ لہٰذا ملت کی حیات نو یا نشاۃ ثانیہ کے لئے مناسب حکمت عملی وضع کرنے کے لئے یہ ایک مناسب ترین موقع ہے۔ کیونکہ حالات کافی سازگار اور بہتری کی طرف مائل ہیں۔ نشاۃ ثانیہ کی اصطلاح چونکہ تاریخ میں یونان کی وثنی تہذیب کے احیاء کے لئے استعمال ہوئی ہے اس وجہ سے معروف مفکر ڈاکٹر برہان احمد فاروقی کے نزدیک احیائے اسلام کے معنی میں موزوں نہیں ہے۔ کیونکہ نہ اسلام پر موت طاری ہوئی اور نہ ہی اس کو نئی زندگی کی ضرورت ہے (۱۳) یہ بات اپنی جگہ وزن رکھتی ہے۔ مگر ہمارا مقصود نشاۃ ثانیہ سے احیائے ملت اسلامی ہے نہ کہ احیائے اسلام۔ ڈاکٹر احسان حقی کے بقول:

موت جن پر طاری ہوئی ہے وہ مسلمان ہیں اور وہی نشاۃ ثانیہ کے بھی محتاج ہیں۔ مسلمانوں کی موت سے مراد ان کا دینی تعلیمات کو چھوڑ دینا ہے (۱۴)

اس نشاۃ ثانیہ کے لئے شریعت اسلامی کے اصول تدریج سے بہتر کوئی اور حکمت عملی نہیں ہو سکتی۔ اس کی تائیدات ہمیں عہد اقدس کے مسائل و مشکلات اور شریعت اسلامی کی جا بجا بکھری ہوئی تصریحات سے بھی ملتی ہیں۔ اور ملت کے مجدد اول حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے طرز عمل سے بھی۔ ڈاکٹر محمد صدقی بن احمد آپ رضی اللہ عنہ کی حکمت عملی پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

أنه رأى أن الناس قد استمرأوا الباطل و استطابوا الخبيث، ولم يفرقوا بين الحلال و

الحرام، و طال عليهم الزمن في هذه الحمأة فاعتادوا رائحتها الكريهة واستلذوا نتنها، فليس من الخير أن يخرجوا منها دفعة واحدة الى جنة مسك و روضة أزهار و ورود، فليس الا أن يخرجوا رويدا رويدا و تقطع سلسلتهم بتلك الحمأة شيئا فشيئا (۱۵)

ترجمہ: آپ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ باطل لوگوں کو راس آ گیا ہے، ناپاکی اور پلیدی کو پاکیزگی سمجھنے لگ گئے ہیں اور انہوں نے حرام اور حلال کے درمیان فرق کرنا چھوڑ دیا ہے۔ اس دلدلی کیچڑ میں انہوں نے ایک مدت دراز گزار دی ہے جس کے نتیجے میں وہ اس کی بدبوؤں کے عادی ہو گئے ہیں اور اس کے تعفن سے محظوظ ہونے لگے ہیں۔ تو اب بھلائی اس میں نہیں کہ یکبارگی ان کو اس سے نکال کر خوشبوؤں میں بسے ہوئے کسی گلزار میں پہنچا دیا جائے۔ اب اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ انہیں آہستہ آہستہ اس سے نکالا جائے اور دھیرے دھیرے ہی ان کا اس دلدلی کیچڑ سے رابطہ منقطع ہو۔

حالانکہ وہ عرصہ نصف صدی سے بھی کم تھا جس پر امت کے مجدد اول نے اس قدر رعایت برتی۔ یہی وجہ ہے کہ صرف اڑھائی سال کی مختصر سی مدت میں پورے معاشرے سے بغاوت سرکشی، ظلم و جور، من مانی اور بے راہ روی، شراب نوشی و بے حیائی سمیت ہر طرح کی سیاسی، سماجی، معاشی معاشرتی، مذہبی اور اخلاقی بے اعتدالیوں کا خاتمہ فرما کر عہد خلافت راشدہ کا نظام بحال کر دیا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ خود نام نہاد مسلمانوں کو یہ تبدیلی کچھ زیادہ راس نہ آئی اور حضرت عمر بن عبدالعزیز کو زہر دے دیا گیا۔ اس طرح یہ مرد حق آگاہ صرف انتالیس (۳۹) برس کی عمر میں ہی داعی اجل کو لبیک کہہ گیا۔ اتنی بڑی قوم کے دامن میں اگر صرف ایک ہی عمر بن عبدالعزیز ہو گا تو اس قوم کا جو انجام ہونا چاہئے، آپ کے بعد بالکل ویسا ہی ہوا۔ اس عظیم عطیہ خداوندی کی ناقدری کا نتیجہ یہ نکلا کہ اب تیرہ صدیاں بیت چکی ہیں، مگر قوم کو پھر کوئی ایسا شخص آج تک نصیب ہی نہیں ہوا جسے اخلاص وللہیت اور بھرپور دینی بصیرت کے ساتھ ساتھ سیاسی اقتدار اور قوت نافذہ پر مکمل غلبہ اور استحکام بھی حاصل رہا ہو۔

اصول تدریج

ہمارا عام مشاہدہ ہے کہ قدرت کے کارخانے میں ہر چیز درجہ بدرجہ نمو پذیر ہوتی، آہستہ آہستہ پروان چڑھتی، اپنی حیات طبعی کا زینہ زینہ طے کرتے ہوئے قدم بقدم آگے بڑھتی، رفتہ رفتہ زور پکڑتی اور دھیرے دھیرے مائل بہ زوال ہو کر فنا کے گھاٹ اتر جاتی ہے۔ یہی تدریج ہے۔ یہ اصول شریعت اسلامی کا ایک بنیادی اور تاسیسی اصول رہا ہے۔ انقلاب اوپر سے مسلط ہوتا ہے اور اس کے اثرات بھی سرسری

اور سطحی ہی ہوتے ہیں جبکہ تدریجی طور پر لائی جانے والی تبدیلی کے اثرات بڑے گہرے اور دور رس ہوتے ہیں۔ یہ طریق کار اپنے زیر اثر پروان چڑھنے والی کسی بھی چیز کی ہیئت اور ساخت تک کو متاثر کرتا ہے۔ موثر، تاثیر اور متاثر میں مکمل مطابقت اور ہم آہنگی پیدا کرتا اور ان میں ایک معنویت اور اعتدال و توازن لاتا اور برقرار رکھتا ہے۔

تمام تر قوت و تصرف کی خالق و مالک ہستی نے بھی اپنے اس کارخانے میں ہتھیلی پر سرسوں جمانے کی کوئی روایت نہیں چھوڑی۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ انڈے سینے کے عمل میں جدید مشینیں ہمیں مرغیوں کی خدمات سے مستغنی اور بے نیاز کر دے اور کوئی مشین یہ فریضہ سرانجام دے ڈالے۔ مگر لگیں گے وہی بائیس تیئیس روز۔ مشینوں سے یہ نہیں ہو سکتا ہے کہ انڈے کے اندر موجود چوزے کی جسمانی ہیئت و ساخت کو برق رفتاری سے مکمل کر دیں۔ نبی رحمت ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کی کئی خصوصیات ایسی ہیں کہ جو اس کو دیگر شریعتوں سے نمایاں اور ممتاز کرتی ہیں۔ انہی میں سے ایک اصول تدریج بھی ہے۔ نوع بنوع مسائل و مشکلات میں گھرے ہوئے اور بے شمار معاشی، معاشرتی، سماجی اور عمرانی خرابیوں میں بری طرح پھنسے ہوئے لوگوں کو بتدریج ان علتوں کے چنگل سے نکال کر ایک نئے، پاکیزہ اور ایک صاف و شفاف معاشرتی ماحول سے مانوس کر دینا کسی ریتلے صحرا میں جوئے شیر رواں کر دینے کے مترادف عمل ہے۔ اصول تدریج درحقیقت ایک عظیم نعمت خداوندی ہے۔ اور یہ جملہ احکام شرعیہ کے عملی نفاذ کے عمل میں حضور رسالت مآب ﷺ کی شان رحمت للعالمین کا بین ثبوت اور اظہار ہے۔

اصول تدریج کے معاملے میں مفسرین کرام بالعموم کم ہی توجہ دیتے ہیں۔ شراب کو بتدریج حرام قرار دیے جانے کا معاملہ قرآن مجید میں نہایت واضح ہے۔ اباحت سے حرمت تک کے ان مراحل میں چونکہ کسی کے لئے کسی طرح کی تطبیق ممکن نہیں تھی، لہذا سب کو یہ ماننا پڑا کہ شراب بتدریج حرام ہوئی۔ دیگر احکام و مسائل میں اس پہلو پر پوری توجہ نہیں دی گئی جس کے باعث مفسرین کرام کے نزدیک قرآن مجید میں جابجا تعارض کا گمان بھی پیدا ہوا اور مطابقت پیدا کرنے کی اپنی سی کوششیں کی گئیں۔ یوں معاملہ الجھتا اور مزید بوجھل ہوتا چلا گیا۔ جس طرح ایک بچے اور بوڑھے کو ایک درجے میں نہیں رکھا جا سکتا اسی طرح ہر ایک کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکنا بھی درست نہیں ہو سکتا۔ یونہی تمام نصوص قرآنی پر یکبارگی عمل اباحت کو حرمت اور حرمت کو اباحت کے ہم پلہ قرار دیے بغیر ممکن نہیں ہے۔ عرب معاشرے سے اور بہت سے گھناؤنے جرائم کا خاتمہ بھی اسی طرح بتدریج ہوا جس طرح شراب کو بتدریج حرام کیا گیا۔ یہی ازل سے اللہ رب ذوالجلال کے لائق شان اکمل واتم ہے۔ اس میں کسی کمی بیشی کی کوئی گنجائش

نہیں۔ لہذا شراب کا ام الخبائث ہونا علم الٰہی میں ازل سے مقدر تھا۔ مگر آہستہ آہستہ اس امر کا انکشاف اور حکم الٰہی کا نفاذ عمل میں لایا گیا۔ اسی طرح مثلاً بدکاری بھی سماجی برائیوں میں سب سے قابل نفرت برائی تھی۔ اس کے باوجود یہ حضور اکرم ﷺ کی شان رحمت للعالمین کا اثر ہے کہ آپ کی شریعت مطہرہ نے دھیرے دھیرے اس گندگی کے بری طرح عادی افراد کو اس کے اثر سے آزاد کیا۔

حرمت شراب کے تدریجی مراحل

اتنا تو معلوم ہے کہ عرب شراب کے رسیا تھے۔ ان کو اس علت سے چھٹکارا دلانا وحی الٰہی کو مقصود تھا۔ اس عمل کے لئے جو حکمت عملی وضع کی گئی وہ تدریج پر مبنی تھی۔ آج کے جدید طبی علوم اور مہارتیں بھی اس امر پر متفق ہیں کہ ایک ہیروئن کے عادی شخص کی صحت و سلامتی کو لاحق خطرات میں ایک نمایاں خطرہ یہ بھی ہے کہ دفعتاً اس کے نشہ کرنے پر پابندی لگا دی جائے۔ نشہ اور عادت دراصل چیز ہی کے رنگ ہیں جو چھٹائے نہیں چھوٹتے۔ چنانچہ ایسے مریض کو طبی نگرانی اور حفاظت و تحویل میں رکھ کر پہلے اس کی جسمانی و ذہنی تطہیر کی جاتی ہے۔ پھر غیر محسوس طریقے پر نشہ آور شے کی مقدار میں کمی کا عمل شروع کیا جاتا ہے۔ نشہ آور شے کی مقدار میں کمی سے پیدا ہونے والا خلا مناسب غذائی عمل سے حاصل ہونے والی قوت مدافعت پر کرتی رہتی ہے۔ مریض کی حالت کے پیش نظر اس کام میں خاصا عرصہ بھی لگ سکتا ہے۔ یوں کم کرتے کرتے اس کی مقدار کو صفر تک لایا جاتا ہے۔ پھر اس امر کو یقینی بنانے کے لئے کہ مریض کہیں دوبارہ نشے کی طرف نہ چلا جائے، مزید کچھ عرصے تک اس کی نگرانی کا سلسلہ جاری رکھا جاتا ہے۔ تب اس کی بصحت و عافیت اس علت سے گلو خلاصی ممکن ہو پاتی ہے۔

پہلا مرحلہ

چنانچہ پہلے پہل ان لوگوں کی ذہنی تطہیر پر ہی توجہ مرکوز رکھی گئی۔ بس اس قدر بتایا گیا کہ نشہ صحت افزا سرگرمی نہیں نہ ہی نشہ کوئی اچھی چیز ہے۔ ساتھ ہی اہل فہم و دانش کو اس معاملے پر مزید غور فکر کی دعوت دے کر بات کو سمیٹ دیا گیا۔ یہ تو آج ہمیں معلوم ہے کہ شراب حرام ہو گئی تھی، جب یہ پہلا حکم نازل ہوا اس وقت کسی کو یہ معلوم نہ تھا کہ یہ معاملہ یہیں پر ختم کر دیا جائے گا یا اس کو آگے بڑھایا جائے گا۔ اور یہ کہ آگے بڑھائے جانے کی صورت میں آگے چل کر یہ کون سی شکل اختیار کرے گا۔ ان حالات میں پہلی آیت مبارکہ نازل ہوئی:

ومن ثمرات النخيل والاعناب تتخذون منه سكرا ورزقا حسنا ط

ان فی ذلک لاٰیۃ لقوم یعقلون (۱۶)

ترجمہ : یونہی کھجور کے درختوں اور انگور کی بیلوں میں سے بھی ہم تمہیں پینے کی ایک چیز مہیا کرتے ہیں جس میں سے کچھ کو تم نشہ آور بنا لیتے ہو اور کچھ کو پاکیزہ رزق، یقیناً اس میں عقل والوں کے لئے نشانی ہے۔

علامہ ابوبکر الجصاص اس آیت کے تحت فرماتے ہیں،

ان الاٰیۃ اقتضت اباحۃ السکر (۱۷)

ترجمہ : اس آیت کا اقتضاء نشے کی حلت و اباحت ہے۔

آیت مبارکہ میں سکرا و رزقا حسنا کے درمیان واؤ مغایرت کے لئے ہے۔ اور اس کا مقتضا یہ ہے کہ شراب کو اچھی اور صحت بخش غذا کی فہرست سے خارج سمجھا جائے اگرچہ ہے حلال اور اس کے پینے پلانے پر بھی کوئی پابندی نہیں۔ مزید برآں اہل خرد اور اصحاب فہم و دانش کو اس بات پر غور و فکر کی دعوت دے کر بات ختم کر دی گئی۔

دوسرا مرحلہ

اگلے مرحلے میں شراب اور جوئے کو شرعی جرم و عیب کی بجائے ایک معاشرتی اور سماجی برائی کے روپ میں پیش کیا گیا ہے۔ اور معاشرتی وحدت و یگانگت پر پڑنے والے ان چیزوں کے مضر اثرات کی طرف متوجہ کیا گیا۔ آیت مبارکہ نازل ہوئی:

انما یرید الشیطن ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضاء فی الخمر والمیسر ویصدکم عن ذکر اللہ وعن الصلوۃ فھل انتم منتھون ○ واطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واحذروا ج فان تولیتم فاعلموا انما علی رسولنا البلاغ المبین (۱۸)

ترجمہ : شیطان تو چاہتا ہی یہی ہے کہ شراب اور جوئے کے معاملات میں تمہارے درمیان عداوت اور بغض کی تخم ریزی کر دے اور تمہیں یاد الٰہی اور نماز سے روک کر رکھے، تو کیا تم باز آنے کے ہو؟ اور اطاعت گزار رہو اللہ تعالیٰ کے اور اطاعت گزار رہو رسول اکرم ﷺ کے اور محتاط رہو، اور اگر تم نے روگردانی کی روش اختیار کی تو تم یہ جان رکھو کہ ہمارے رسول کی ذمہ داری تو بس اسقدر ہے کہ کھلے الفاظ میں پیغام پہنچا دے۔

اس حکم کے نتیجے میں پیدا ہونے والی کراہت تو طبعی نوعیت کی ہوگی البتہ ان سرگرمیوں کے

کچھ اثرات مذہبی و دینی معاملات پر بھی پڑتے ہیں جس سے شرعی عیب و گناہ کی طرف راہ نکلتی ہے۔ اس موقع پر یہ سوال بھی کیا گیا کہ دینی نقصان کی اطلاع ملنے کے بعد کیا تم اس سرگرمی کو ترک کرنے اور اس سے باز آ جانے پر اپنے آپ کو آمادہ و تیار پاتے ہو؟ یہ اس کاروبار سے اپنا سرمایہ نکال لینے کی ایک زبردست تحریک اور لوگوں کے لئے نہایت قیمتی موقع تھا۔

یہ دونوں آیات سورۃ مائدہ میں آیت تحریم کے سیاق میں ایک ساتھ آئی ہیں جس سے حضرات مفسرین کرام کو یہ گمان ہوا کہ شراب کو حرام قرار دیے جانے کے بعد ان میں حرمت کی وجوہ حکمت بیان کی گئی ہیں۔ مگر حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ یہ دونوں آیات، آیت تحریم خمر سے قبل نازل ہو چکی تھیں۔ اور اس کا ثبوت پہلی آیت مبارکہ کے اختتامی کلمات میں یہ سوال ہے کہ کیا تم شراب اور جوئے سے باز آنے پر آمادہ ہو۔ ظاہر ہے کہ حرمت کا حکم آ جانے کے بعد اس سوال کی کوئی وقعت نہیں رہ جاتی۔ یہ زبان چونکہ ظرفیت کے لئے آتا ہے اس لئے اس سے بھی یہی اشارہ ملتا ہے کہ جب یہ آیات مبارکہ نازل ہوئیں اس وقت لوگ ان علتوں میں مبتلا تھے۔ اور کسی قسم کی کوئی بندش عائد نہ تھی۔ علاوہ ازیں ان آیات کے کلمات سے بالکل واضح ہے کہ ان کی شان نزول کوئی ایسا واقعہ بنا ہے جس کے باعث مسلمانوں میں باہم عداوت پیدا ہوئی، ایک دوسرے کے بارے میں دلوں میں میل آیا، کہیں کسی کے یاد الٰہی اور نماز سے محروم رہنے کا عمل مشاہدے میں آیا اور صلح صفائی کی کوشش میں کوئی ایسی بدمزگی پیدا ہوئی یا کسی کی زبان پر ایسے کلمات آ گئے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا دعویٰ رکھنے والا کوئی شخص زبان پہ نہیں لا سکتا اور نہ ہی اسے کسی طرح اس امر کی اجازت ہی دی جا سکتی ہے۔ اس پر رویے اور طرز عمل کو درست رکھنے اور محتاط رہنے کا حکم دیا گیا۔ یہاں یہ پہلو خاص طور پر لائق توجہ ہے کہ ان تمام باتوں کا صدور کسی اہم شخصیت سے ہوا۔ جس کے بارے میں یہ امکان بھی اپنی جگہ موجود ہے کہ اس سمجھ کو اپنی توہین خیال کرے اور روگردانی کی راہ پر آ جائے۔ چنانچہ یہ بھی واضح فرما دیا گیا کہ ہمارے رسول ﷺ کے ذمہ تو پیغام حق کی تبلیغ تھی، سو یہ کام ہو چکا۔ مزید یہ کہ زور زبردستی کی یہاں گنجائش ہی نہیں۔ یہ سارے معاملات اور محرکات اس حدیث میں یکجا نظر آتے ہیں جس کو امام مسلم نے کتاب الاشربہ میں روایت کیا ہے۔ طویل حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے ولیمہ کے لئے کچھ مال حاصل کرنے کی غرض سے غزوہ بدر کی غنیمت سے ملنے والی دو اونٹنیاں لے کر بنو قینقاع کی بستی میں جاتے ہیں تاکہ وہاں سے اذخر (ایک خوشبودار گھاس) لا کر کچھ کاروبار کریں۔ اتفاق سے جس گھر کے سامنے اپنی اونٹنیاں باندھ کر گئے تھے اس کے اندر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شراب نوشی میں مشغول تھے۔ ایک مغنیہ

انہیں گیت بھی سنا رہی تھی۔ اس نے کچھ ایسے اشعار پڑھے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ جوش میں آ کر اٹھے اور انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ان اونٹنیوں کو ذبح کر ڈالا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ واپسی پر اس منظر کی تاب نہ لا سکے اور سیدھے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شکایت کر دی۔ آپ ﷺ نے موقع پر پہنچ کر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سے گفتگو کرنا چاہی مگر اس وقت ان پر اس قدر نشہ طاری تھا کہ بارگاہِ نبوی کے آداب کو ملحوظ نہ رکھ سکے اور ان کی زبان پر ایسے کلمات آ گئے جو کسی بھی طرح شانِ رسالت کے لائق نہ تھے۔ آپ ﷺ نے جب دیکھا کہ حضرت حمزہ اس وقت ہوش میں نہیں ہیں تو واپس تشریف لے آئے۔ (۱۹)

یہاں یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ماہِ رمضان المبارک سن ۲ ہجری کو ہوا اور اسی سال ماہِ ذوالحجہ کو رخصتی عمل میں آئی۔ آپ رضی اللہ عنہ کو مزید سرمائے کے حصول کی کوشش میں بدر کے مالِ غنیمت سے ہاتھ آنے والی اونٹنیاں بھی گنوا بیٹھے تو یہ وقت آپ رضی اللہ عنہ پر کس قدر گراں اور معاملہ آپ رضی اللہ عنہ کی طبیعت پر کتنا شاق رہا ہوگا۔ نیز ان دنوں کے حالات کو نگاہ میں رکھ کر سوچا جائے تو یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ نزول کے اعتبار سے یہ آیات اسی ناخوشگوار واقعہ سے منسلک ہیں۔

تیسرا مرحلہ

اس مرحلے میں بھی پچھلے حکم پر کچھ مزید روشنی ڈالی گئی۔ اور چند اور اضافے کئے گئے ہیں۔ مثلاً نفع و نقصان کا تقابل کرتے ہوئے اس کے منافع کو اس کے نقصانات و مضرات کے مقابلے میں کمتر بتایا گیا ہے۔ اہلِ فہم و دانش کو قبل ازیں غور و فکر کی جو دعوت دی گئی تھی اس میں خطا کا بھی امکان تھا اور راہِ صواب کا ان کے سامنے رہنا اس لئے بھی ناگزیر تھا تا کہ اس کی روشنی میں وہ اپنی فکری جہتوں کا درست تعین کر سکیں۔ چنانچہ فزوں تر نقصانات کو دیکھتے ہوئے اس سے گریز و اجتناب کے جذبات کا ابھر آنا اور ان کا اس کی مخالفت و مذمت پر کمربستہ ہو جانا عین فطری امر ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے بارے میں لوگوں کے ذہنوں میں سوالات پیدا ہو گئے تھے۔ اور یہ سوالات بارگاہِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام تک آ پہنچے تھے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

یسئلونک عن الخمر والمیسر ط قل فیهما اثم کبیر و منافع للناس واثمهما اکبر من نفعهما ط (۲۰)

ترجمہ: شراب اور جوئے کے بارے میں آپ سے یہ لوگ سوال کرتے ہیں، آپ فرما دیجئے: ان دونوں میں ایک بڑا گناہ ہے اور لوگوں کی منفعتیں بھی اس سے وابستہ ہو گئی ہیں، اور ان کا گناہ ان سے حاصل ہونے والے نفع سے بڑا ہے۔

اس آیت مبارکہ میں شراب پینے اور جوا کھیلنے کے عمل کو ایک بڑے گناہ کا عمل بتایا گیا۔ اس گناہ کی سنگینی کے حوالے سے ایک واضح اشارہ بھی ملتا ہے۔ مگر دوسرے ہاتھ پہ "منافع للناس" کے ضمن نے اس کی شدت کو کافی کم کر دیا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ علمِ الٰہی میں شراب کا ام الخبائث ہونا تو ازل سے مقدر ہے۔ مگر ہنوز اس امر کے اظہار و انکشاف سے اجتناب پایا جاتا ہے۔ عرب شراب کے پرانے عادی تھے۔ اور انہوں نے ناؤ نوش کی محفلیں سجانے کے لئے جا بجا میکدے آباد کر رکھے تھے۔ عہدِ جاہلی کا ایک عرب شاعر "عمرو بن قمیئة" کہتا ہے:

یا لهف نفسی علی الشباب ولم　　افقد به اذ فقدته امما

اذ اسحب الریط و المروط الی　　ادنی تجاری و انفض اللمما　(۲۱)

ترجمہ: جوانی پر ہائے مجھے دلی افسوس ہے۔ اور بات یہ ہے کہ جب میں نے اسے کھویا تو کوئی معمولی چیز نہیں کھوئی۔ یاد پڑتا ہے وہ وقت کہ جب میں قیمتی یمنی چادروں ریطہ اور مروط کا تہمد گھسیٹتا ہوا قریبی مے فروش کی طرف جایا کرتا تھا اور رو رو کر اپنی زلفوں کو چہرے سے پرے جھٹکتا تھا۔

یہ میکدے آباد رکھنے کے لئے نہایت عمدہ اور مہنگی قسم کی شرابیں انہوں نے ذخیرہ کر رکھی تھیں۔ شراب کا کاروبار زمانہ قبل از اسلام میں اور بعد ازیں قرآن مجید میں واردان تنبیہات کے نزول تک سرمایہ کاری کے تین اہم ترین اور بڑے میدانوں میں سے ایک تھا۔ دیگر دو میں سودی لین دین اور سب سے اہم اور بڑا میدان غلاموں اور باندیوں کا کاروبار تھا۔ یہ سرمایہ کاری کے ان میدانوں کا ذکر ہے جن پر شریعت اسلامی نے قدغن لگانا ناگزیر جانی۔ جبکہ سب سے زیادہ سرمایہ متوخر الذکر کاروبار پر لگا ہوا تھا۔ تجارتی منڈی سے زیادہ غلاموں اور باندیوں کا عربوں کی معاشرت سے رہا تھا۔ عربوں کا کاروبارِ حیات انہی کے سر پر چلتا اور انہی کے آسرے پر ان کا چولہا جلتا تھا۔ لہٰذا ایک بیک ان میں سے کسی کے بارے میں بھی حرمت کے احکام نازل ہو جاتے تو یہ حکمت و مصلحت کے خلاف اقدام شمار ہوتا۔ بڑے پیمانے پر سرمایہ کے اچانک ڈوب جانے سے عربوں کی معیشت و معاشرت اور اقتصادی حالت تباہ ہو جاتی اور یہ امر خدائے علیم و حکیم اور اس کے فرستادہ نبی رحمت کو گوارا نہ تھا۔ البتہ قرآن مجید نے جس انداز سے شراب کا ذکر چھیڑا تھا اس نے سرمایہ کاروں کو چونکا ضرور دیا تھا۔

Department of Islamic History
University of Karachi
LIBRARY

ہمارے ہاں کے مقتدر اور بااختیار حلقوں میں آج اگر کسی کمپنی یا اس کے کاروبار پر اس نوع کی گفتگو شروع ہو جائے تو اس کا لازمی اثر اسٹاک ایکسچینج پر پڑتا ہے اور سرمایہ کار تیزی سے اپنا سرمایہ نکالنا اور سمیٹنا شروع کر دیتے ہیں۔ یہی کچھ گرم بازاری اس عبوری عہد میں بھی رہی۔ سرمایہ کاروں نے اپنے تہ خانوں میں ذخیرہ کی گئی شراب کو تیزی سے نکالنا اور بیچنا شروع کر دیا۔ جب سرمایے کا بہت بڑا حصہ واپس سرمایہ کاروں کے ہاتھوں میں آکر محفوظ ہو گیا اور خطرے کی حد کو عبور کر لینے کے بعد جب معیشت قابل برداشت نقصان کی حدود میں پہنچ گئی تو شراب کے ام الخبائث ہونے کا انکشاف اور اعلان عام ہوا۔ اسلام کی ان رحمدلانہ معاشی اصلاحات پر حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے روشنی پڑتی ہے:

قال سمعت رسول اللہ ﷺ یخطب بالمدینۃ قال: یا ایہا الناس ان اللہ تعالٰی یعرض بالخمر ولعل اللہ سینزل فیہا امرا فمن کان عندہ منہا شیٔ فلیبعہ ولینتفع بہ۔(۴۴)

ترجمہ: فرماتے ہیں: میں نے مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ کو خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا آپ ﷺ نے فرمایا: اے لوگو! اللہ تعالٰی نے شراب کی طرف سے رخ موڑ دینے کا اشارہ فرما دیا ہے۔ اور عین ممکن ہے کہ اللہ تعالٰی عنقریب ہی اس کے بارے میں کوئی حکم نازل فرما دے۔ لہٰذا جس کے پاس بھی اس میں سے کچھ ہو وہ اسے بیچ دے اور اس کا نفع سمیٹ لے۔

اس مرحلے پر سول سوسائٹی میں یہ راز فاش کر دیا گیا کہ شراب بالآخر حرام قرار دے دی جائے گی۔ ذرا سوچئے! ایسے منصوبوں کا راز قبل از وقت فاش ہو جائے تو کاروباری حلقوں میں کیا کھلبلی مچتی ہے۔ لہٰذا اس معاملے میں اصلاً کوئی ابہام نہیں کہ اسلام نے پہلے، لوگوں کو اس کاروبار میں لگا ہوا سرمایہ نکالنے کا بھرپور موقع دیا۔ اسی اثنا میں یہ واقع بھی پیش آ گیا، جیسا کہ عام مفسرین کا اعتقاد ہے، کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نشے کے عالم میں نماز پڑھائی اور عالم سکر میں سورۃ الکافرون کچھ کی کچھ پڑھ گئے۔

چوتھا مرحلہ

شراب کو حرام قرار دیے جانے کا عمل پھر بھی بے دھڑک اور یک بیک رو بہ عمل نہیں کیا گیا۔ تدریج کا ایک اور حکیمانہ اسلوب ہمیں یہ نظر آتا ہے کہ روز و شب کے اوقات کو تقسیم کیا گیا۔ اس تقسیم کے بعد کچھ اوقات میں حرام ہو جاتی ہے اور باقی میں حلال رہتی ہے:

یا ایہا الذین آمنوا لا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سکٰری حتی تعلموا ما تقولون(۴۳)

ترجمہ: اے ایمان والو! نشے کے عالم میں تم نماز کے قریب مت جاؤ۔ یہاں تک کہ تمہیں خبر ہو کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔

اس طرح نماز کے اوقات میں شراب پینا اور نشہ کرنا حرام ہو گیا۔ روز و شب کے ایک دور میں پانچ نمازیں فرض ہیں۔ ان میں فجر تا ظہر اور عشاء تا فجر دو ہی طویل وقفے ایسے ہیں کہ کوئی اگر چاہتا تو اس سے جی بہلا لیتا۔ باقی اوقات میں اتنی گنجائش نہیں کہ شراب پینے والا پی کر پھر ہوش میں بھی آ جائے۔ رہے یہ دو طویل وقفے تو ہم دیکھتے ہیں کہ معاشی مجبوریاں اور سماجی ضرورتیں ان اوقات میں بھی لوگوں کو اس طرح کے شوق پالنے کی اجازت کم ہی دیتی ہیں۔

پانچواں مرحلہ

جب پوری طرح زمین ہموار اور فضا سازگار ہو گئی۔ لوگ ذہنی طور پر اس سے اجتناب برتنے پر پوری طرح آمادہ و تیار ہو گئے تو اس کے بعد یہ آخری اور حتمی حکم نازل ہوا:

انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطٰن فاجتنبوہ لعلکم تفلحون(۴۴)۔

ترجمہ: اے ایمان والو! یہ شراب، یہ جوا، یہ بت، یہ پانسے بازی سب گندگی ہیں شیطانی حرکات میں سے، تو تم ان سے دوری رہو تا کہ تمہیں فلاح نصیب ہو۔

اسلام کو چونکہ لوگوں کی اصلاح درکار تھی۔ ان کی معیشت و معاشرت کی کمر توڑ دینا اسے ہرگز مقصود نہ تھا۔ بلکہ گوارہ تک نہ تھا۔ لہٰذا جن جن علتوں کے عرب پرانے عادی تھے، چھٹکارا دلانے کیلئے اسلام نہایت رحمدلانہ اور حکیمانہ اقدامات تجویز اور احکامات نافذ کرتا رہا۔ جب عمل صالح کے لئے زمین ہموار اور ماحول سازگار ہو جاتا تو ہی حتمی حکم نازل اور نافذ ہوتا تھا۔ اس سے قبل کے عبوری عرصے کیلئے عبوری احکامات نازل ہوتے رہے۔ اب غور فرمایئے کہ پہلا حکم حدود حلت و اباحت میں ہی ہے۔ جبکہ آخری حکم اقتضائے حرمت میں۔ تو کوئی ایسا تطبیقی فارمولہ یہاں کیسے ممکن ہے جس کی رو سے یکبارگی ان تمام آیات پر عمل روا اور مشروع ہو جائے جو موقع بموقع اس باب میں نازل ہوتی رہی ہیں؟ سلف کے ہاں اس اصول کی عدم رعایت نے قرآن مجید کے دیگر کئی احکامات کے سلسلے میں بھی پیچیدگیوں کو جنم دیا ہے۔ معروف محقق و سیرت نگار علامہ شبلی نعمانی کی یہ حیرت، یہ دل گرفتگی بالکل بجا ہے، بے جا نہیں:

"غور کرو! شراب کی حرمت کس طرح اعلان عام کے ساتھ عمل میں آئی ،ہاں یہ امر ابھی تک یقینی نہیں ہوا کہ یہ کس سال کا واقعہ ہے؟ محدثین اور ارباب روایت اس امر میں نہایت مختلف الآراء ہیں"۔ (۲۵)

چہارم مرحلہ

شراب حرام قرار دے دی گئی۔ مگر صرف پینے کی حد تک۔ شراب کا معاملہ ایسا تھا کہ کشید کرنے والے اس کو بنا کر اور مٹکوں میں بند کر کے تہہ خانوں میں رکھ دیتے تھے۔ جہاں پڑی پکتی رہتی تھی۔ اور جتنی پرانی ہوتی اتنی ہی عمدہ گنی جاتی۔ علامہ اقبال نے علی گڑھ کے طلبہ کے نام اپنے پیغام میں ایک نہایت قیمتی سبق کی جانب اشارہ اسی کیفیت سے دیا تھا۔ ملاحظہ کیجئے

بادہ ہے نیم رس ابھی شوق ہے نارسا ابھی
رہنے دو خم کے سر پہ تم خشت کلیسا ابھی

لہٰذا ہنوز ذخیرہ گاہوں میں اس کی وافر مقدار میں موجودگی کا امکان رد نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی احادیث میں صراحت پائی جاتی ہے کہ شراب کی خرید و فروخت کو ۸ ہجری فتح مکہ کے سال حرام قرار دیا گیا۔ جبکہ شراب کی تحریم کا حتمی حکم سن ۴ ہجری میں نازل ہو چکا تھا (۲۶) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کے الفاظ حسب ذیل ہیں :

عن جابر بن عبداللہ انہ سمع رسول اللہ ﷺ یقول عام الفتح وھو بمکۃ ان اللہ ورسولہ حرم بیع الخمر (۲۷)

ترجمہ : حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے مکہ کے مقام پر فتح مکہ ہی کے سال رسول اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے شراب کی خرید و فروخت حرام قرار دے دی ہے۔

جبکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث ان الفاظ میں ہے :

عن عائشۃ قالت لما انزلت الآیات من آخر سورۃ البقرۃ فی الربا قالت خرج رسول اللہ ﷺ الی المسجد فحرم التجارۃ فی الخمر (۲۸)

ترجمہ : حضرت عائشہؓ سے مروی ہے۔ فرماتی ہیں: جب سود کے بارے میں سورۂ بقرہ کے آخری آیات نازل ہوئیں تو رسول اکرم ﷺ مسجد نبوی میں تشریف لے گئے اور شراب کی تجارت حرام قرار دے دی۔

علامہ نووی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا والی روایت کی شرح میں قاضی عیاض کے حوالے سے ایک احتمال یہ بھی بیان کیا ہے:

تحریم الخمر ھو فی سورۃ المائدۃ وھی نزلت قبل آیۃ الربو بمدۃ طویلۃ فان آیۃ الربو آخر ما نزل او من آخر ما نزل فیحتمل ان یکون ھذا النہی عن التجارۃ متأخرا عن تحریمہا (۲۹)

ترجمہ : شراب کی تحریم سورۂ مائدہ میں وارد ہوئی اور یہ آیت ربوا سے عرصہ دراز پہلے نازل ہوئی اس لئے کہ آیت ربوا آخر آخری آیات میں سے ایک ہے۔ لہٰذا یہ ممکن ہے کہ شراب کی تحریم سے تاخیر کے ساتھ اس حکم کے ذریعے شراب کی تجارت کی ممانعت فرمائی گئی ہو۔

لہٰذا قیاس کیا جا سکتا ہے کہ جس شان رحمت نے چشم زدن میں ام الخبائث کو حرام کرنا گوارہ نہ کیا اسی نے عین ممکن ہے کہ لوگوں کی ذخیرہ گاہوں میں پڑی پکی مگر قیمتی شراب کے پکنے اور بکنے تک اس کی خرید و فروخت اور تجارت کی ممانعت نہ فرمائی ہو۔ شروع سے آخر تک کے تدریجی مراحل پر نگاہ ڈالنے کے بعد یہ مہلت قطعاً انہونی نہیں لگتی۔ بہرحال ان جملہ مراحل کو عبور کرنے کے کچھ عرصہ بعد تک لوگوں کی نگرانی اور اس امر کو یقینی بنانے کی خاطر کہ وہ الٹے پاؤں واپس نہ چلے جائیں کچھ مزید اور نہایت حکیمانہ اقدامات فرمائے جاتے ہیں۔ لوگ جن برتنوں میں شراب پیتے پلاتے آئے تھے ان کے استعمال پر پابندی عائد کر دی گئی۔ مبادا پانی پیتے پیتے ان کو بادہ نوشی کی یاد ستائے اور نفس امارہ کے بہکاوے میں آ کر ایک چھوٹی ہوئی چیز کو وہ دوبارہ منہ لگا بیٹھیں۔ حضرت ابن بریدہ اپنے والد ماجد سے روایت کرتے ہیں:

قال رسول اللہ ﷺ انی کنت نہیتکم عن ثلث: زیارۃ القبور فزوروھا ولتزدکم زیارتہا خیرا و نہیتکم عن لحوم الاضاحی بعد ثلث فکلوا منہا ما شئتم و نہیتکم فی الاشربۃ فی الاوعیۃ فاشربوا فی ای وعاء شئتم ،لا تشربوا مسکرا (۳۰)

ترجمہ : رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے تمہیں تین چیزوں سے منع کیا تھا: قبروں کی زیارت سے تو اب تم ان کی زیارت کے لئے جا سکتے ہو اور یقیناً ان کی زیارت تمہارے لئے خیر میں اضافے ہی کا باعث ہوگی۔ اور میں نے تمہیں تین دن سے زائد مدت کے لئے قربانی کے جانوروں کا گوشت ذخیرہ کرنے سے روکا تھا تو اب کھاؤ جب تک تمہارا من چاہے۔ اور میں نے تمہیں شراب والے برتنوں میں پینے سے بھی منع کیا تھا تو اب جس برتن میں تمہارا من چاہے پیو۔ البتہ کوئی نشہ آور مشروب مت پینا۔

بعض روایات ایسی بھی ملتی ہیں کہ آپ ﷺ نے یہ وضاحت بھی فرمائی تھی کہ "میں نے تمہیں برتن استعمال کرنے سے روکا تھا حالانکہ برتن کسی چیز کو حلال یا حرام نہیں کرتے، البتہ ہر نشہ آور شے حرام ہے (۳۱) اسی طرح یہ بات بھی قابل غور ہے کہ انصار نے کہا ہمارے پاس اور برتن ہی نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر ایسا ہے تو میں تمہیں ان برتنوں کے استعمال سے بھی نہیں روکتا (۳۲)

یہ تمام تر رعایتیں عرصہ جہالت کے عادی افراد کو اسلام کی آغوش رحمت میں لینے اور اس سے مانوس کرنے کے لئے دی گئی تھیں تو آج کے حالات بھی کچھ زیادہ اچھے نہیں ہیں اس لئے یہاں بھی تدریجی اسلوب کو روبکار لایا جا سکتا ہے۔

تدریجی مراحل پر ایک طائرانہ نظر

نہایت دلکش انداز اور دلنشین پیرائے میں بڑی حکمت کے ساتھ وحی الٰہی نے شراب کے عادی افراد کو اس کے چنگل سے نکالا۔ پہلے پہل صرف اتنا کہا گیا کہ شراب اچھا رزق نہیں۔ اس موقع پر چونکہ شراب کی ممانعت و حرمت کا کوئی ذکر نہ تھا، معاملہ بس اس قدر تھا کہ اسے اچھی غذا کی فہرست سے خارج کیا گیا، لہذا لفظ "خمر" استعمال کرنے کی بجائے لفظ "سکر" سے کنایہ کیا گیا۔ تاکہ ان سلیم الطبع افراد کی طبیعتوں پر بھی کوئی بار نہ آنے پائے جو عہد جاہلیت سے ہی اس سے نفرت کرتے آئے تھے۔ جب یہ بات لوگوں کے دلوں میں راسخ ہو گئی تو دوسرے مرحلے میں انہیں شراب نوشی کے نقصانات باور کروائے گئے۔ یہ ذوالحجہ سن ۲ ہجری کی بات ہے۔ انہیں یہ بتایا گیا کہ شراب نوشی، شیطان کو اپنے اوپر حاوی ہونے کا موقع دینے کے مترادف عمل ہے۔ انہیں یہ احساس بھی دلایا گیا کہ یہ کیسی دانائی ہے کہ ایک قلیل وقت کے لئے آدمی نشہ کرے اور نشہ کے عالم میں ایسی عداوتیں اور دشمنیاں مول لے لے کہ پھر ساری عمر عالم ہوش میں رو کر ان کو نبھاتا اور ان کا حساب چکاتا پھرے۔ یہ طریقہ کار اس قدر مؤثر ثابت ہوا کہ شراب کے بارے میں لوگوں میں عام بحث چھڑ گئی۔ اور طرح طرح کے سوالات گردش کرنے لگے۔ ایسے ماحول میں حاکم مجاز کی طرف سے جواب و حکم کا انتظار بالکل فطری چیز ہے۔ چنانچہ تیسرے مرحلے میں ان سوالات کا باقاعدہ حوالہ دیا گیا ہے۔ اور جواباً کہا گیا کہ اس میں بڑا گناہ بھی ہے مگر لوگوں کے معاشی و تجارتی فوائد بھی اس سے وابستہ ہو گئے ہیں۔ پھر ان دونوں کے مابین تقابل کرتے ہوئے گناہ کو فزوں تر بتایا گیا۔ چوتھے مرحلے میں روز و شب کے ایک دورانیہ میں جزوی طور پر کچھ مخصوص و معلوم اوقات کے لئے شراب حرام ہو گئی۔ دیگر اوقات میں اگرچہ بنوز حلال ہے مگر لوگوں کی اپنی ضرورتیں اور

مجبوریاں آزادانہ طور پر ان کو اس راہ پر جانے کی اجازت ہی نہیں دیتیں۔ پانچویں مرحلے میں حالات کی تھل سازگاری کے بعد شراب نوشی کو شیطانی حرکت اور گندگی کی سطح پر لا کر مطلقاً حرام قرار دے دیا گیا۔ غزوۂ احد، جو شوال سن ۳ ہجری میں پیش آیا، کے چند ماہ کے اندر یہ سنگ میل عبور کر لیا گیا تھا۔ ان جملہ تدریجی مراحل میں کل ڈھائی سے تین برس کا عرصہ لگا۔ اس سارے عمل کی ایک خاص بات اور حکمت لوگوں کے تجارتی، مالی اور معاشی مفادات و مصالح کا تحفظ تھا۔ بالفاظ دیگر شراب جیسے معاملے میں بھی ان کے دینی جذبات کو استعمال نہیں کیا گیا۔ خرید و فروخت اور تجارت پھر بھی برابر جاری رہی۔ بالآخر سن ۸ ہجری کو، جب اور بھی کئی احکام کو حتمی شکل دی جا رہی تھی، شراب کے معاملے کو بھی حتمی شکل دیتے ہوئے تجارت سمیت اس سے ہر طرح کے انتفاع کو ممنوع اور حرام قرار دے دیا گیا۔ یہ فتح مکہ، جو رمضان سن ۸ ہجری کو ہوئی، سے ایک دو مہینہ پہلے کی بات معلوم ہوتی ہے۔

شریعت اسلامی کا نہایت رحم دل و مہربان اور حاذق طبیب بڑی حکمت، شفقت، دانشمندی اور جانفشانی کے ساتھ لوگوں کے جملہ ذہنی، جسمانی، اعصابی اور روحانی امراض کہنہ کا علاج کرتا اور مریضوں کو شفایاب کرتا رہا۔ مسیحائی رشک کرے آپ ﷺ پر۔ اور محسن انسانیت کا لقب اس محسن اعظم کو زیبا ہے کہ جس نے گناہوں کی دلدل میں پھنس کر تباہی کے دھانے پر پہنچی ہوئی انسانیت کو بحفاظت تمام نکال کر بھلائی و راستی اور سعادت و سلامتی کی راہ پہ ڈال دیا۔ اور رہتی دنیا تک کے لئے، جب کبھی بھی حالات پلٹا کھا جائیں تو اصلاح معاشرہ کے عمل کو پھر سے شروع کرنے اور جاری و ساری رکھنے کے لئے ایک بے مثال اُسوہ قائم فرما دیا۔

عام لوگوں کی اور ممکن ہے کہ بعض خواص کی بھی خواہش اور رائے یہی ہو کہ اپنی معیشت و معاشرت کا سارا نظام یکبارگی بدل جائے مگر عملاً ایسا ہونا ممکن نہیں ہے۔ خود عہد رسالت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں بھی لوگ ایسی خواہشوں کا برملا اظہار کرتے رہے ہیں۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے:

ان ناسا کانوا یقولون: لو انزل فیہ کذا لکان کذا، فکرہ اللہ ذلک منہم (۳۳)

ترجمہ: کہ کچھ لوگ کہا کرتے تھے: اس معاملے میں اگر یہ حکم نازل ہوتا تو ایسا ہو جاتا، اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کی اس رائے زنی کو ناپسند فرمایا۔

علامہ ابوبکر جصاص نے اپنی سند سے روایت کیا ہے:

ان ناسا کانوا یقولون لو لا انزل فی کذا (۳۴)

ترجمہ : کہ کچھ لوگ کہا کرتے تھے: اس معاملے میں کوئی حکم کیوں نہیں اتارا گیا۔

مگر جواباً نہ صرف یہ کہ نافذ العمل تدریج پر مبنی حکمت عملی میں کسی طرح کی کوئی ترمیم یا تبدیلی نہ کی گئی بلکہ عجلت پسندی کا مظاہرہ کرنے والوں کو تنبیہ کر دی گئی:

یاایھا الذین امنوا لا تقدموا بین یدی اللہ و رسولہ و اتقوا اللہ ط

ان اللہ سمیع علیم (۳۵)

ترجمہ : اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے مت نکلو، اور اللہ سے ڈرتے رہو، یقیناً اللہ تعالیٰ بہت سننے والا بہت جاننے والا ہے۔

آج اپنی معاشرت اور معیشت کو صحیح اسلامی خطوط پر واپس لانے کے لئے تدریج سے بہتر اور مؤثر طریقہ کار اور کوئی نہیں۔ یہی سنت الٰہیہ ہے اور یہی سنت رسول ہے۔ جو خرابیاں صدیوں آزادانہ طور پر پھلتی پھولتی اور اپنی جڑیں جماتی رہیں ان کو معاشرے سے ختم ہونے میں بھی وقت لگے گا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث مبارکہ میں اس ضمن ایک خوبصورت اشارہ پایا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں:

قال لی رسول اللہ ﷺ: یا بنی ان قدرت ان تصبح و تمسی و لیس فی قلبک غش لاحد فافعل. ثم قال لی: یا بنی و ذلک من سنتی ومن أحیا سنتی فقد أحبانی ومن أحبانی کان معی فی الجنۃ (۳۶)

ترجمہ : رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: اے صاحبزادے! اگر تم زمانوں زندہ رہو اور تمہارے دل میں کسی کے بارے میں کوئی کھوٹ بھی نہ ہو تو تم اپنا کام کئے جاؤ۔ پھر مجھ سے فرمایا: اے صاحبزادے! اور یہی میری سنت رہی ہے۔ اور جس نے میری سنت کو نئی زندگی دی اس نے گویا مجھے نئی زندگی دے دی اور جس نے مجھے نئی زندگی دی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث پاک اس باب میں ایک بصیرت افروز ضابطۂ عمل مہیا کرتی ہے:

ان اللہ رفیق یحب الرفق و یعطی علی الرفق ما لا یعطی علی العنف وما لا یعطی علی ما سواہ (۳۷)

ترجمہ : اللہ تعالیٰ بہت مہربان ہے۔ نرمی کو پسند کرتا ہے اور اس کی عطا کے جو دروازے نرمی کا برتاؤ کرنے سے کھلتے ہیں، سختی کا برتاؤ کرنے یا نرمی سے ہٹ کر کوئی بھی دوسرا طریقہ اختیار کرنے سے نہیں کھلتے۔

لہٰذا خلق خدا کے ساتھ نرمی اور مہربانی کے برتاؤ کا تقاضا یہ ہے کہ ان پر اتنا بوجھ نہ ڈالا جائے جسے اٹھانے کی ان میں سکت نہ ہو، لوگوں کو نیکی اور بھلائی کی طرف واپس لانے کا اگر ایک ہی مناسب راستہ ہمارے پاس بچا ہے تو گناہ و ثواب کی تفصیلی بحثوں میں الجھے اور سختی اور زور زبردستی کی راہ اپنائے بغیر نرمی اور سہولت کے ساتھ ہی لوگوں کو اس راہ پہ لانا ہوگا۔ ہمیں "خیر اُمت" ہونے کے اعزاز کا پاس و لحاظ کرتے ہوئے بھلائی کے فروغ اور برائی کے سدباب کے لئے انفرادی اور اجتماعی ہر سطح پر کمربستہ ہو جانا چاہئے مگر یہ بات بھی دھیان میں رکھتے ہوئے کہ اس عمل میں ایک بامعنی ربط اور تسلسل بھی ضروری ہے۔ فاللہ المستعان و صلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ و علی الہ و سلم۔

ماخذ و مراجع

۱. قرآن حکیم، سورہ آل عمران، آیت: ۱۱۰

۲. بلیاوی عبدالحفیظ ابوالفضل، مصباح اللغات، دیکھئے: درج

۳. حافظ محمد سعد اللہ، نفاذ شریعت میں تدریج، مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری۔ لاہور، ص: ۳

۴. قرآن حکیم، سورۂ اعراف، آیت: ۱۸۲

۵. قرآن حکیم، سورہ قلم، آیت: ۴۴

۶. فاروقی، برہان احمد، پروفیسر، ڈاکٹر، قرآن اور مسلمانوں کے زندہ مسائل، لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ، طبع دوم ۱۹۹۱، ص: ۸۳

۷. نثار احمد، ڈاکٹر، خطبہ حجۃ الوداع، لاہور، بیت الحکمت، سن طباعت: ۲۰۰۵ء، ص: ۱۷۳

۸. قشیری، مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، کراچی، قدیمی کتب خانہ، ۱۹۵۶، جلد اول، ص ۳۹۷

۹. صدقی محمد بن أحمد البورنو الغزی، عمر بن عبدالعزیز مجدداً و مصلحاً، ریاض مکتبۃ المعارف الطبعۃ الاولی: ۱۹۹۳، ص: ۷۶

۱۰. قرآن حکیم، سورہ آل عمران، آیات: ۱۰۳،۱۰۲

۱۱. قرآن حکیم، سورۂ انفال، آیت: ۴۶

۱۲۔ قرآن حکیم، سورۃ مؤمنون، آیات: ۵۳ تا ۵۴

۱۳۔ فاروقی، برہان احمد، پروفیسر ڈاکٹر، قرآن اور مسلمانوں کے زندہ مسائل، لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ
طبع دوم ۱۹۹۱ء، ص: ۱۰۵

۱۴۔ حقی احسان سامی، ڈاکٹر، مسلمانوں کی نشـــأۃ ثانیہ، اسلام آباد، دعوۃ اکیڈمی، اشاعت سوم مئی
۱۹۹۴ء، ص: ۲

۱۵۔ صدقی محمد بن احمد البورنو الغزی، عمر بن عبد العزیز مجدد او مصلحا، ریاض مکتبۃ المعارف الطبعۃ الاولیٰ
۱۹۹۴ء، ص: ۱۹۹

۱۶۔ قرآن حکیم، سورۃ نحل، آیت: ۶۷

۱۷۔ الجصاص، احمد بن علی ابو بکر الرازی، احکام القرآن، کراچی، قدیمی کتب خانہ، جلد سوم، ص: ۴۷۳

۱۸۔ قرآن حکیم، سورۃ مائدۃ: ۹۱ تا ۹۳

۱۹۔ قشیری، مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، کراچی، قدیمی کتب خانہ، ۱۹۵۶، جلد دوم، ص ۱۶۱ تا ۱۶۴

۲۰۔ قرآن حکیم، سورۃ بقرۃ: ۲۱۹

۲۱۔ ابوتمام، حبیب بن اوس الطائی، دیوان الحماسہ، کراچی، میر محمد کتب خانہ، سن طباعت ندارد، صفحہ: ۱۹۶

۲۲۔ قشیری مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، کراچی، قدیمی کتب خانہ، ۱۹۵۶، جلد دوم، ص: ۴۳

۲۳۔ قرآن حکیم، سورۃ نساء، آیت: ۴۳

۲۴۔ قرآن حکیم، سورۃ مائدۃ، آیت ۹۰

۲۵۔ شبلی نعمانی، سیرت النبی ﷺ، کراچی، دار الاشاعت، طبع اول ۱۹۸۵ء، جلد دوم، صفحہ: ۸۹

۲۶۔ شبلی نعمانی، سیرت النبی ﷺ، کراچی، دار الاشاعت، طبع اول ۱۹۸۵، جلد اول، صفحہ: ۴۳۰ تا
جلد دوم، ص: ۹۰

۲۷۔ قشیری مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، کراچی، قدیمی کتب خانہ، ۱۹۵۶، جلد دوم، ص: ۴۳

۲۸۔ ایضاً

۲۹۔ نووی، شیخ شرف الدین یحییٰ، شرح صحیح مسلم فی ذیل صحیح مسلم، کراچی، قدیمی، جلد دوم، ص: ۴۳

۳۰۔ نسائی احمد بن شعیب ابو عبد الرحمن، سنن النسائی، ملتان، مکتبہ دار القرآن والحدیث، ص: ۲۸۱، جلد: ثانی

۳۱۔ ترمذی عیسیٰ بن سورہ ابو عیسیٰ، جامع ترمذی، کتاب الاشربہ، باب کراھیۃ ان ینبذ فی الدباء و النقیر
الحنتم

۳۲۔ ایضاً

۳۳۔ زمخشری، محمود بن عمر جار اللہ، الکشاف، دار الکتب العربی، ص: ۳۵۱، جلد: چہارم

۳۴۔ الجصاص، احمد بن علی ابو بکر الرازی، احکام القرآن، کراچی، قدیمی کتب خانہ، ص: ۵۹۴، جلد: سوم

۳۵۔ قرآن حکیم، سورہ "حجرات" آیت: اول

۳۶۔ ترمذی، عیسیٰ بن سورہ ابو عیسیٰ، جامع ترمذی، ابواب العلم، باب الاخذ بالسنۃ واجتناب البدع

۳۷۔ قشیری، مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، کراچی، قدیمی کتب خانہ، ۱۹۵۶، جلد دوم، ص: ۳۴۳

جدید مسائل اور مقاصدِ شریعت

ڈاکٹر تاج محمد☆

اسلام ایک جامع اور مکمل دین ہے۔ جسکی تعلیمات انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر محیط ہیں۔ ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہر فرد کے لئے ضروری ہے کہ وہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اپنی زندگی گزارے۔ وہ احکام جن کا مسلمان کو پابند کیا گیا ہے انہیں تکلیفی احکام کہتے ہیں اور بندے کو مکلف۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید نے انسان کو یہ باور کروادیا کہ اسکی یہ زندگی بے کار اور آوارگی کے لئے نہیں:

ایحسب الانسان ان یترک سدی ۔(۱)

بلکہ جن وانس کے مقصد حیات کو قرآن مجید میں یوں بیان کیا گیا۔ انسان کی زندگی اور موت کے مقصد کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

خلق الموت والحیاۃ لیبلوکم ایکم احسن عملا (۲)

یہ بات ہر ذی شعور جانتا ہے کہ دنیا کی ہر شئے کسی نہ کسی مقصد کے تحت پیدا کی گئی۔ کوئی چیز بلا مقصد نہیں ہے۔ قرآن وحدیث میں انسان کی دنیاوی زندگی کے مقاصد کی نشاندہی کر دی گئی ہے۔ انسانوں اور جنوں کو پیدا کرنے کا مقصد بتاتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون (۳)

ترجمہ: جن وانس کو صرف عبادت کے لئے پیدا کیا گیا۔

حیات انسانی اور جنات کا مقصد عبادت الٰہی ہے۔ اسی طرح انسان کو اس دنیا میں زندگی گزارنے کے لیے جو اصول وقانون عطا کئے گئے ہیں ان کے بھی کچھ طے شدہ مقاصد ہیں۔ تاکہ ان پر

☆ وائٹ ہاؤس گرامر اسکول، گلشن اقبال، کراچی

عمل پیرا ہو کر انسان دنیا وآخرت میں سرخرو ہو سکے۔ محققین نے شریعت اسلامی کے مقاصد اور ان مصالح واسباب کے بارے میں جن پر وہ مقاصد مبنی ہیں بہت سی کتابیں لکھی ہیں مثلاً ابو اسحٰق شاطبی مالکی کی (الموافقات) عزبن عبدالسلام الشافعی کی (قواعد الاحکام) اور ابن القیم الجوزی حنبلی کی (اعلام الموقعین) وغیرہ اس ضمن میں خاص طور پر نمایاں اور قابل ذکر ہیں۔

ان محققین نے اسی نقطہ نگاہ سے احکام شرع کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے، ایک عبادات اور دوسرا معاملات۔ پہلی قسم میں مسائل عبادات سے بحث کی گئی ہے اور دوسری قسم کی غرض وغایت لوگوں کی دنیاوی فلاح وبہبود ہے۔ جو احکام دنیاوی معاملات سے متعلق ہیں ان کے مقاصد زیادہ تر معقولیت کے باب سے تعلق رکھتے ہیں۔ کیونکہ یہ لوگوں کو دنیوی اور اخروی نفع پہنچانے اور مختلف طرح کے نقصانات سے بچانے کے بنیادی اصول پر مبنی ہیں۔ نفع دینے والی چیزیں 'مباح' ہیں اور نقصان پہنچانے والی چیزیں 'محظور وممنوع' ہیں۔ مقاصد شریعت کے متعلق ڈاکٹر عبدالکریم زیدان لکھتے ہیں:

معرفۃ مقاصد الشریعۃ العامۃ امر ضروری لفہم النصوص الشرعیۃ علی الوجہ الصحیح، واستنباط الاحکام من ادلتہا علی وجہ مقبول فلایکفی ان یعرف المجتہد وجوہ دلالات الالفاظ علی المعانی، بل لابد لہ من معرفۃ اسرار التشریع والاغراض العامۃ التی قصدہا الشارع من تشریع الاحکام المختلفۃ حتی یستطیع ان یفہم النصوص ویفسرہا تفسیرا سلیماً ویستنبط الاحکام فی ضوء ہذہ المقاصد العامۃ وقد ثبت بالاستقراء وتتبع الاحکام المختلفۃ فی الشریعۃ ان القصد الاصلی لہا ہو تحقیق مصالح العباد وحفظ ہذہ المصالح ودفع الضرر عنہم ۔(٤)

ترجمہ: نصوص شرعیہ کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے شریعت عامہ کے مقاصد کا جاننا انتہائی ضروری ہے اور ان ادلہ کی مدد سے احکام کا استنباط کرنا جو سب کے ہاں مقبول ہوں، ایک مجتہد کے لیے یہی کافی نہیں کہ وہ یہ جانتا ہے کہ الفاظ کی معانی پر دلالت کی کیا وجوہات ہیں بلکہ اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اسرار تشریع کی معرفت رکھتا ہو اور اغراض عامہ کو سامنے رکھے جو مختلف احکام تشریع میں شارع کا مقصود رہے ہیں۔ حتی کہ مجتہد نصوص کو سمجھ کر اس کی صحیح تفسیر بیان

کردے اور انہی مقاصد عامہ کی روشنی میں احکام کا استنباط کرے۔ استقراء اور مختلف احکام کے تتبع سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ شریعت کا اصلی مقصد "مصالح عباد" کا تحقق ہے۔ اور ان مصالح کی حفاظت کرنا اور ان سے ضرر کو اٹھالینا ہے۔

عزبن عبدالسلام لکھتے ہیں:

واعلم ان الله شرع لعباده السعي في تحصيل مصالح عاجلة وآجلة تجمع كل قاعدة منها علة واحدة، ثم استثنى منها مافي اجتنابه مشقة شديدة، او مصلحة تربى على تلك المفاسد وكل ذالك رحمة بعباده، ونظر لهم ورفق بهم، ويعبر عن ذالك كله بما خالف القياس وذالك جار في العبادات، والمعاوضات، والتصرفات۔(۵)

ترجمہ:۔ یہ امر معلوم رہنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے تحصیل مصالح کے لیے شریعت عطا کی ہے تا کہ اس کے بندے ان مصالح کو حاصل کرنے کی کوشش کریں، خواہ یہ جلد ہوں یا مقرر وقت پر، ان میں سے ہر قاعدے کو علت واحدہ میں مجتمع کر دیا ہے پھر استثنـــــی فرمایا جس میں مشقت شدیدہ میں اجتناب مقصود تھا یا مصلحت، ورنہ مفاسد کے پروان چڑھنے کا اندیشہ ہوتا۔ اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں کے ساتھ خصوصی نرمی و رعایت اور مہربانی ہے اور ان کے ساتھ نرمی کا سلوک ہے۔ جو بھی ظاہر قیاس کے خلاف ہو ان تمام صورتوں میں اس کا اعتبار کیا جائے گا اور یہ اصول عبادات، معاوضات اور تصرفات میں بھی جاری ہوتا ہے۔

علامہ شاطبی لکھتے ہیں کہ:

وعلى وضع الشرائع انما هو لمصالح العباد في العاجل والآجل معا۔(٦)

ترجمہ:۔ وضع شرائع میں مصالح عباد کو ملحوظ رکھا گیا ہے (خواہ وہ) جلد ہوں یا بدیر۔

اپنے اس سلسلے میں علامہ موصوف نے قرآن کی چند آیات کو بطور برہان کے پیش کیا۔ جن

سے مقاصد شریعت کا مفہوم بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ پھر لکھتے ہیں:۔

وقد وقع الخلاف فيها في علم الكلام، وزعم الرازي ان احكام الله تعالى ليست معللة بعلة البتة، كما ان افعاله كذالك، وان المعتزلة اتفقت على ان احكامه تعالى معللة برعاية مصالح العباد، وانه اختار اكثر الفقهاء المتاخرين ولما اضطر في علم اصول الفقه الى اثبات العلل للاحكام الشرعية اثبت ذالك على ان العلل بمعنى العلامات المعرفة للاحكام خاصة، ولا حاجة الى تحقيق الامر في هذه المسألة، والمعتمد انما هو، انا استقرينا من الشريعة انها وصف لمصالح العباد استقراء لايناز ع فيه الرازي ولا غيره۔(۷)

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ نے جو بھی احکامات عطا فرمائے ہیں ان کی بنیاد کسی علت پر ہے کہ نہیں، امام رازی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے احکامات قطعاً کسی علت سے معلل نہیں۔ معتزلہ کا موقف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام احکامات بندوں کے مصالح کی رعایت کرتے ہوئے عطا کیے ہیں۔ اکثر فقہاء متاخرین نے اسی قول کو مختار کہا ہے۔ اصول فقہ احکام کی علت ہی ثابت کرتی ہے اور علت سے مراد علامات ہیں جن کی تحقیق کی ضرورت نہیں۔ اور استقراء سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ شریعت مصالح عباد کے لیے وضع کی گئی ہے۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔

علامہ محب اللہ بہاری لکھتے ہیں کہ:۔

فعل في العلة وعي ههنا ما شرع الحكم عند تحصيلا للمصلحة وذالك مبني على ان الاحكام معللة بمصالح العباد تفضلا منه تعالى كاية المخلوقة، اقتضى من عناية السعادة لابدية للناس۔(۸)

ترجمہ:۔ ہر فعل کی کوئی نہ کوئی علت ہوتی ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے شریعت کے ذریعہ جو بھی حکم دیا ہے وہ مصلحت کے حصول کے لیے ہے اور یہ اس بات پر مبنی ہے کہ احکام مصالح عباد کے ساتھ معلل ہیں اور یہ از روئے فضل کے ہے جیسا

کہ ارشاد باری تعالیٰ مخلوقات کی پیدائش کیلئے اور اس عنایت کا مقتضی یہ ہے کہ انسان کو سعادت ابدی اور سرمدی مل جائے۔

علامہ ابن قیم لکھتے ہیں:-

فان الشريعة مبناها واساسها على الحكم ومصالح العباد في المعاش والمعاد- وهي عدل كلها ورحمة كلها ومصالح كلها وحكمة كلها: فكل مسالة خرجت من العدل الى الجور وعن الرحمة الى ضدها: عن المصلحة الى المفسدة- وعن الحكمة الى العبث فليست من الشريعة وان ادخلت فيها بالتاويل- فالشريعة عدل الله بين عباده، ورحمته بين خلقه وظله في ارضه وحكمته الدالة عليه وعلى صدق رسول الله صلى الله عليه وسلم اتم دلالة واصدقها: وهي نوره الذي به ابصر المبصرون: وهداه الذي به اهتدى المهتدون: وشفاؤه التام الذي به دواء كل عليل: وطريقه المستقيم الذي من استقام عليه فقد استقام على سواء السبيل- فهي قرة العيون: وحياة القلوب: ولذة الارواح فهي بها الحياة والغذاء والدواء والنور والشفاء والعصمة-

آگے چل کر لکھتے ہیں:

فالشريعة التي بعث الله بها رسوله هي عمود العالم وقطب الفلاح والسعادة في الدنيا والآخرة-(۹)

ترجمہ:-شریعت اسلامیہ کے احکام کی اساس اور بنیاد دنیا اور آخرت میں بندوں کے مصالح پر مبنی ہے اور تمام کے تمام احکام عدل وانصاف، رحمت، مصالح اور حکمت پر مشتمل ہیں اور ہر وہ مسئلہ جس میں عدل کے بجائے ظلم ہو، رحمت کے بجائے زحمت ہو، مصلحت کے بجائے فساد ہو حکمت کے بجائے بے عقلی ہو تو ایسے مسائل کا شریعت سے کوئی تعلق نہیں اگر چہ ان کو بذریعہ تاویل شریعت میں داخل کر دیا جائے۔شریعت اللہ اور بندوں کے درمیان سراسر عدل پر مبنی ہے، مخلوقات پر اس کی خصوصی رحمت ہے، اہل زمین پر اس کی رحمت کا سایہ ہے، اور اس کی حکمت ان پر شاہد ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت

اس پر اتم دلالت ہے، اور یہ وہ نور ہے جس سے اہل نظر دیکھتے ہیں، ہدایت کے متلاشی اس سے ہدایت کی شمعیں روشن کرتے ہیں اور اس میں ہر مرض والے بیماری سے شفا پاتے ہیں۔سیدھی راہ پر چلنے والوں کے لیے استقامت کا وسیلہ ہے یقیناً یہ (شریعت) آنکھوں کی ٹھنڈک دلوں کے لیے حیاۃ جاودانی، روح کی لذت، اسی سے زندگی ہے، اسی سے غذا وخوراک ہے، اسی کے دم سے دوا، نور اور شفا ہے اور اسی سے انسانیت کی عصمت ہے اور وہ شریعت جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا وہ جہان کے لیے ستون ہے اور فلاح وکامرانی کیلئے قطب نما ستارہ ہے اور دین ودنیا کی سعادت اسی سے وابستہ ہے۔

اسنوی لکھتے ہیں:-

لانا استقرينا احكام الشرع فوجدنا كل حكم منها مشتملا على مصلحة عائدة الى العباد ويعلم منه ان الله تعالى شرع احكامه لرعاية مصالح العباد، على سبيل التفضل والاحسان لا على سبيل الحتم والوجوب-(۱۰)

ترجمہ:-جہاں تک ہمارے استقراء کا تعلق ہے تو ہم نے شریعت میں یہی پایا کہ ہر حکم مصلحت اور بندوں کی منفعت پر مشتمل ہے، اور ان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے شریعت کے احکام میں بندوں کے مصالح کی رعایت کی ہے، اور یہ سب بر سبیل فضل واحسان ہے نہ کہ بر سبیل حتم و وجوب۔

یہاں تک یہ بات واضح ہوگئی کہ شریعت کا بنیادی مقصد بندوں کی صلاح وفلاح ہے اور ہر حکم میں مصالح عباد کو مد نظر رکھا گیا ہے مصالح سے کیا مراد ہے؟ کیا ہماری نظر میں جو مصالح ہیں وہ مراد ہیں یا کہ شریعت نے جن مصالح کا تعین کیا ہے۔مصلحت کا مفہوم علامہ شاطبی نے یہ بیان کیا ہے:

المصالح ما يرجع الى قيام حياة الانسان وتمام عيشه ونيله ما تقتضيه اوصافه الشهوانية والعقلية على الاطلاق-(۱۱)

ترجمہ:-مصالح میں ہر وہ چیز داخل ہے جس سے انسانی زندگی کا قیام اور اس کا کمال وابستہ ہو، اور ان چیزوں کا حصول بھی اس میں شامل ہے جن کے ذریعہ

وہ اپنے شہوانی اور عقلی اوصاف کے تقاضوں کو مکمل طور پر پورا کر سکے۔

وانما المصلحة ما كانت مصلحة في ميزان الشرع لا في ميزان الاهواء والشهوات، فالانسان قد يرى مدفعوا بهواه النافع والضار نافعا، متاثرا بشهواته النفسية وتطلعة واستشرافه الى النفع العاجل اليسير-(١٢)

ترجمہ:- یہ بات جاننا ضروری ہے کہ مصالح ومقاصد سے مراد وہ مصالح ومفاسد ہیں جو کہ شارع کی نظر میں ہیں نہ کہ مکلف کی نظر میں، کیونکہ انسان کبھی کسی چیز کو بہتر تصور کرتا ہے لیکن وہ ضرر رساں ثابت ہوتی ہے اور کبھی ضرر رساں دیکھتا ہے تو نفع مند ثابت ہوتی ہے۔ نفسانی خواہشات سے متاثر ہو کر انسان ہر نفع بخش چیز کو جلدی اور آسانی سے حاصل کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔

یعنی مصالح کا معیار یہ ہے کہ وہ شریعت کے مقرر کردہ اصولوں پر مبنی ہوں انسان کی اپنی اختراع نہ ہو، اگر انسان کے بنائے ہوئے مصالح مراد لئے جائیں تو اس میں ہر جائز و ناجائز خواہشات کو تقویت دینے کا موقع مل جائے گا۔

تكاليف الشريعة ترجع الى حفظ مقاصدها في الخلق، وهذه المقاصد لاتعدو ثلاثة اقسام، احدها ان تكون ضرورية، والثاني ان تكون حاجية، والثالث ان تكون تحسينية-(١٣)

ترجمہ: شریعت نے مخلوقات کو جن معاملات کا مکلف کیا ہے ان میں ان مقاصد کا خیال رکھا ہے جو مخلوقات سے متعلق ہیں اور یہ مقاصد تین اقسام پر مشتمل ہیں۔ ان میں پہلا ضروریہ ہے دوسرا حاجیہ اور تیسرا تحسینیہ۔

علمائے اصول نے مقاصد و مصالح شریعت کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے:

(١) ضروریہ (٢) حاجیہ (٣) تحسینیہ۔

(١) ضروریہ:

فاما الضرورية فمعناها انها لابد منها في قيام مصالح الدين والدنيا، بحيث اذا فقدت لم تجر مصالح الدنيا على استقامة بل على فساد وتهارج وفوت حياة، وفي الاخرى فوت النجاة

والنعيم والرجوع بالخسران المبين-(١٤)

ترجمہ:- ضروریہ سے مراد یہ ہے کہ حیات انسانی کا دارومدار اسی پر موقوف ہو اور اس کے ضیاع سے نظام زندگی میں گڑبڑ کا اندیشہ ہو، بالفاظ دیگر دین و دنیا کے مصالح کے قیام کیلئے ناگزیر ہو اور اس کے مفقود ہونے سے نہ صرف مصالح دنیا کی استقامت ناممکن ہو بلکہ اس سے فساد پیدا ہونے کا اندیشہ ہو، اس طرح مقصد حیات کے فوت ہونے کے ساتھ ساتھ اخروی نعمتوں سے محرومی مقدر ہو جائے۔

ضروریات کا خیال کہاں کہاں کیا گیا ہے اس کی تفصیل علمائے اصول نے یہ بیان کی ہے۔

مجموع الضروريات خمسة، وهي! حفظ الدين، والنفس، والنسل والمال والعقل، وقالوا انها مراعاة في كل ملة (١٥) وقد زاد بعض المتاخرين سادسا وهو حفظ الاعراض-(١٦)

ترجمہ:- مجموعہ ضروریات کی پانچ قسمیں ہیں:

١- حفظ دین، ٢- حفظ نفس، ٣- حفظ نسل، ٤- حفظ مال، ٥- اور حفظ عقل۔ اور دنیا کے ہر مذہبی قانون میں رعایت کی گئی ہے۔ بعض متاخرین نے ان کلیات خمسہ پر چھٹا عزت و آبرو کی حفاظت کا بھی اضافہ کیا ہے۔ ان کو کلیات خمسہ کہا جاتا ہے۔ ان پر انسانی زندگی کا قیام و بقا موقوف ہے اور ایک صالح معاشرے کے وجود کے لیے بھی ناگزیر ہیں۔

ان کی اہمیت کے متعلق امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:-

وتحريم تفويت هذه الاصول الخمسة والزجر عنها يستحيل ان لاتشتمل عليها ملة عن الملل، وشريعة من الشرائع التي اريد بها اصلاح الخلق، ولذالك لم تختلف الشرائع في تحريم الكفر، في القتل، والزنا، والسرقة، وشرب السكر-(١٧)

ترجمہ:- ان اصول خمسہ کا فوت ہو جانا ممنوع ہے کیونکہ انہی سے انسانی بقا موقوف ہے اور ان کی ہر ملت اور ہر شریعت میں رعایت کی گئی ہے اس لئے کہ ہر شریعت کا مقصد مخلوق کی اصلاح کرنا ہے، تحریم، کفر، قتل، زنا، چوری، اور شراب نوشی میں کسی بھی شریعت کا اختلاف نہیں۔ (بلکہ ان کی حرمت کے تمام شرائع قائل ہیں)۔

ان کلیات خمسہ کے بھی درجات ہیں:-

ویقدم حفظ الدین من الضروریات علی غیرہ لانہ المقصود الاعظم بہ السعادۃ السرمدیۃ (ثم) یقدم حفظ (النفس) علی حفظ النسب والعقل والمال، لان الکل فرع بقاء النفس (ثم) یقدم حفظ (النسب) علی الباقی لانہ بقاء النوع بالتناسل من غیر زنا فبتحریمہ لایحصل اختلاط النسب فینسب الولد الی شخص واحد فیھم بتربیتہ (ثم) یقدم حفظ (العقل) علی حفظ المال، لان الانسان بفواتہ یلتحق بالحیوان، ومن ثمت یجب بتفویتہ ما یجب بتفویت النفس من الدیۃ الکاملۃ (ثم) حفظ (المال، وقیل) یقدم (المال) ای حفظہ فضلا عن حفظ العقل والنسب والنفس (علی) حفظ (الدین)-(۱۸)

ترجمہ:-سب سے پہلے حفاظت دین ہے کہ یہ "مقصود اعظم" ہے اور اسی سے سعادت ابدی اور سرمدی کا حصول ممکن ہے، پھر حفظ نفس ہے، کیونکہ ہر نوع کی بقا اسی نفس کے ساتھ مختص ہے- نیز حفظ نسب کو دیگر پر مقدم کیا ہے کیونکہ نوع انسانی کی بقا ناجائز طریقے (زنا) سے ہٹ کر جائز اور مشروع طریقے سے ضروری ہے اور یہ کہ بچے کے نسب میں اختلاط نہ ہوگا- بلکہ وہ فرد واحد کا ہوگا اور وہ شخص جس کا بچہ ہوگا، اس کی تربیت کا اہتمام کرے گا، پھر عقل کو مال پر فوقیت دی گئی ہے کیونکہ عقل کے فوت ہونے سے انسان حیوانات کے زمرے میں داخل ہو جاتا ہے- اور سب سے آخر میں حفظ مال ہے لیکن یہ بھی کہا گیا ہے کہ حفظ مال، عقل، نسب، نفس اور دین سب پر مقدم ہے-

بقول علامہ شاطبی کے دین و دنیا کے مصالح کی بنیاد ہی یہ پانچ امور ہیں:

ان مصالح الدین والدنیا مبنیۃ علی المحافظ علی الامور الخمسۃ المذکورۃ فیما تقدم-(۱۹)

ترجمہ:-یقیناً دین و دنیا کے مصالح مذکورہ پانچ امور کی حفاظت پر مبنی ہیں-

مقاصد شریعت کی اصل ضروریہ ہے جیسے کہ علامہ شاطبی فرماتے ہیں:

المقاصد الضروریۃ فی الشریعۃ اصل للحاجیۃ

والتحسینیۃ-(۲۰)

ترجمہ:-مقاصد شریعت میں حاجیہ اور تحسینیہ کی اصل ضروریہ ہے-

ضروریہ کے لئے شریعت نے رعایت کے جو اصول دیے ہیں کی روشنی میں بدلتے ہوئے حالات کے تناظر میں نرمی و رعایت دی جا سکتی ہے-

(۲) حاجیہ:

وہ حاجات جن پر انسانی زندگی کا قیام تو موقوف نہیں تاہم خوشگوار زندگی گزارنے کے لیے ضروری ہے جیسا کہ کتب اصول میں تصریح کی گئی ہے:

مایقع فی رتبۃ الحاجات من المصالح والمناسبات کتسلیط الولی علی تزویج الصغیرۃ والصغیر فذالک لاضرورۃ الیہ لکنہ محتاج الیہ فی اقتناء المصالح (۲۱) کتشریح احکام البیع، والاجارۃ، والنکاح بغیر مضطر الیھا من المکلفین، (۲۲) وھی جاریۃ فی العبادات والعادات والمعاملات والجنایات، ففی العبادات کالرخص المخففۃ بالنسبۃ الی لحوق المشقۃ بالمرض والسفر، وفی العادات کاباحۃ الصید والتمتع بالطیبات مما ھو حلال ماکلا ومشربا وملبسا ومسکنا ومرکبا وما اشبہ ذالک، وفی المعاملات کالقراض والمساقاۃ والسلم والغا التوابع فی العقد علی المتبوعات کثمرۃ الشجر ومال العبد، وفی الجنایات کالحکم باللوث والتدمیہ والقسامۃ وضرب الدیۃ علی العاقلۃ وتضمین الصناع وما اشبہ ذالک-(۲۳)

ترجمہ:- وہ امور جو مصالح حاجیہ کے مرتبہ پر ہیں (ان میں سے کچھ یہ ہیں) جیسے ولی کو صغیرہ اور صغیر کے نکاح کا اختیار، یہ ضروری تو نہیں لیکن مصالح کے قیام کے لئے بہر حال اس کی احتیاج ہوتی ہے- اسی طرح خرید و فروخت کے احکام کی تشریحات، اجارہ کے مسائل اور نکاح وغیرہ جن میں مکلفین بغیر کسی اضطرار کے عمل کر سکیں، اور یہ جاری ہوتے ہیں عبادات، معاملات، عادات اور جنایات میں بھی، عبادات کی مثال جیسے سفر اور مرض میں جو مشقت

لاحق ہوتی ہے اس کی تخفیف کے لئے رخصت اور عادات میں جیسے شکار کا مباح ہونا، حلال وطیبات سے متمتع ہونا، خواہ وہ ماکولات، مشروبات، ملبوسات، مساکن، سواری سے ہوں یا ان کے علاوہ کسی اور قبیل سے۔ معاملات کی مثال جیسے قرض، مساقاۃ اور بیع سلم، توابع کا عقد متبوعات پر جیسے درخت کا پھل اور مال عبد، جنایات میں جیسے زخم، تیر مارنے ضربات کی دیت عاقلہ پر، کاریگر کی ضمانت اور ان سے مشابہ مسائل کا حکم۔

محب اللہ بہاری نے چند چیزوں کا اضافہ کیا ہے۔ لکھتے ہیں:۔

وحاجية كالبيع والاجارة والمضاربة والمساقاة فانها لو لا لم يفت واحد من الخمس الا قليلا كاستيجار المرضعة للطفل مثلا ولها مكملات كوجوب رعاية الكفاءة ومهر المثل على الولى فى تزويج الصغيرة فانها افضى الى المقصود الا فى النكاح ابيها عند ابى حنيفة وحده فانه مع وفور الشفقة لايترك الا لمصلحة راتحة- (٢٤)

ترجمہ:- اور مصالح حاجیہ مثلاً بیع، اجارہ، مضاربت اور مساقاۃ وغیرہ، ان پانچوں کی موجودگی کسی نہ کسی صورت میں ضرور ہوتی ہے جس طرح مرضعہ کے لئے بچے کو دودھ پلانے کی اجرت اور اس کے مکملات جیسے کفالت میں برابری کی رعایت کرنا، اور مہر مثل ولی پر ہوگا جب وہ صغیرہ کا نکاح کرے۔ یہ اس وقت ہوگا جب کہ لڑکی صغیرہ کا باپ نکاح کرے۔ یہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک ہے اور یہ زیادہ شفقت کی بناء پر ترک نہیں ہوگا مگر کسی مناسب مصلحت کے باعث۔

(۳) تحسینیہ:

انسانی اخلاق وفضائل اور عالی حوصلگی سے متعلق ہے۔ جیسے استاد خضری بک کا بیان کردہ مفہوم: فمعناها محاسن العادات، ويجمع ذالك قسم مكارم الاخلاق وهى تجرى فيها جرى فيه الاوليان- (٢٥)

ترجمہ:- تحسینیہ کا معنی اچھی عادات کے ہیں جس میں مکارم اخلاق کی ہر اقسام جمع ہو جاتی ہیں اور پہلی صورتیں جہاں جاری ہوتی ہیں یہ بھی وہیں جاری ہوتی ہے۔

محب اللہ بہاری لکھتے ہیں: وتحسينية كتحريم الخبائث حثا على مكارم الاخلاق وكسلب الولايات عن العبد فان الاحسن للاحسن وهو الاحسن عرفا، واكثر مسائل

كتاب الاستحسان- (٢٦)

ترجمہ:- اور تحسینیہ جیسے خبائث کی حرمت انسان کو مکارم اخلاق پر براہیختہ کرتی ہے اور اسی طرح غلام کی ولایت کا سلب ہونا وغیرہ، کیونکہ اچھے کے لیے اسی کے لائق اچھا ہوتا ہے اور اچھا وہی ہوگا جسے عرف عام میں اچھا سمجھا جائے، اور اس کے اکثر مسائل کتاب الاستحسان سے ہی متعلق ہیں۔

امام غزالی لکھتے ہیں کہ: مالا يرجع الى ضرورة ولا حاجة، ولكن يقع موقع التحسين والتزيين والتيسير المزايا والمزائد- (٢٧)

ترجمہ:- یہ وہ (قسم) ہے جس میں نہ تو حیات انسانی کی بقاء وابستہ ہے اور نہ ہی حاجت بلکہ اس کا مقام تحسین پر اطلاق ہوتا ہے جیسے زیب وزینت کرنا اور زیادہ تکلیف اور بوجھ کی صورت میں آسانی پیدا کرنا۔

علامہ شاطبی نے تحسینیہ کی یہ مثالیں تحریر کی ہیں:

ففى العبادات كازالة النجاسة وبالجملة الطهارة كلها، وستر العورة واخذ الزينة والتقرب بنوافل الخيرات من الصدقات والقربات واشباه ذالك، وفى العادات كآداب الاكل والشرب، ومجانبة المآكل النجسات، والمشارب المستخبثات، والاسراف والاقتار فى المتناولات، وفى المعاملات كالمنع من بيع النجاسات وفضل الماء والكلاء، وسلب العبد منصب الشهادة والامامة وسلب المراة منصب الامامة والنكاح نفسها وطلب العتق وتوابعه من الكتابة والتدبير وما اشبهها، وفى الجنايات كمنع قتل الحر بالعبد او قتل النساء والصبيان والرهبان فى الجهاد- (٢٨)

ترجمہ:- عبادات میں، جیسے نجاست کا ازالہ کرنا، عام عبادات میں طہارت کا اہتمام کرنا، ستر عورت، زیب وزینت کرنا، صدقات وخیرات اور نوافل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا اور ان کے مشابہ امور، عادات میں جیسے کھانے پینے کے آداب، نجس کھانے پینے اور بے جا اسراف سے اجتناب، معاملات میں بیع نجاست، فاضل پانی اور گھاس، غلام سے منصب شہادت اور امامت کا سلب ہونا اور عورت سے منصب امامت کا سلب ہونا اور اپنے نفس کا نکاح کرنا، آزادی کا مطالبہ کرنا اور ان کے توابع میں سے کتابت، مدبر اور

مشابہ مسائل وغیرہ۔اور جنایات میں جیسے غلام کے بدلے آزاد کا قتل، جہاد میں عورتوں، بچوں اور گوشہ نشین لوگوں کا قتل ممنوع ہے۔

آداب جمیلہ کی خاطر نجاست کا عدم تناول مصلحۃ تحسینیہ ہے جو محاسن عادات پر دلالت کرتا ہے۔(۲۹)

یہاں تک یہ بات ثابت ہوگئی کہ احکام شریعت کی مشروعیت مصالح عباد کے لیے متحقق ہے لہذا جہاں کہیں انسان پر کسی عوارض کی بناء پر تنگی وتکلیف آرہی ہو یا ایسے عوارض لاحق ہوں جن کی موجودگی میں نفع کے بجائے نقصان کا احتمال ہو تو ان تمام صورتوں میں شریعت نے انسان کو اس کا جبراً پابند نہیں کیا، بلکہ ہر مقام پر اس کے لیے سہولت ونرمی اور فوائد کے دروازے کھول رکھے ہیں تاکہ انسان کہیں بھی تکلیف مالایطاق کا شکار نہ ہو۔بالفاظ دیگر یہ کہا جاسکتا ہے کہ جب مجتہد کے سامنے کوئی ایسا قضیہ پیش نظر ہو اور اس پر غور وفکر کرنے کے بعد مجتہد اس نتیجے پر پہنچے کہ مذکورہ قضیہ کے ظاہر کو دیکھا جائے تو اس میں مصالح عباد مفقود نظر آتے ہیں اور ایک خفی دلیل ایسی سامنے آتی ہے جس سے مصالح عباد متحقق ہوتا ہے تو اب مجتہد کے لئے اسی حکم کو ترجیح دینا ہوگا، اگر وہ اس اصول سے روگردانی کرے گا تو پھر شریعت نے مصالح العباد کی جو رعایت دی ہے اس کے فوت ہونے کا اندیشہ ہوگا۔

لان المصلحة تختلف باختلاف الاحوال والازمان، وهو تعالى حكيم يشرع لعباده في كل عصر ما يعلم في سابق علمه ان به مصلحتهم في ذالك الوقت، وانما كانت الناسخة على الاغلب خيرا من المنسوخة، لان الانتقال من خير الى خير منه آية الترقي الى ما هو ارقى واكمل كما هو سنة الله في خلقه باخذهم بالتدريج والارتقا۔(۳۰)

ترجمہ:۔اس لئے کہ زمان ومکان کے اختلاف سے مصلحت بھی تبدیل ہوجاتی ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ حکیم ہے وہ اس بات کو پہلے ہی سے بخوبی جانتا ہے کہ کس زمانے میں انسان کیلئے کیا مصلحت ہے۔اور جس چیز کو منسوخ کیا گیا اس کی جگہ اس سے بھی بہتر صورت لائی گئی۔اس لئے کہ کسی اچھی چیز سے اس کے مقابلے میں زیادہ اچھی چیز کی طرف منتقلی ترقی کی علامت ہے۔اور اپنی مخلوق کے معاملے میں یہی اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ ان کو بتدریج ترقی پر ترقی دیتا

ہے۔

یعنی ناسخ منسوخ سے بہتر اور کامل ومکمل ہوتا ہے۔لہذا ہر دور کے مصالح چونکہ مختلف ہوتے ہیں چنانچہ ان تمام کو مدنظر رکھ کر ہی کسی قضیہ کا حکم دینا ضروری ہے۔

انسانی معاشرہ ہر دور میں بڑی تیزی کے ساتھ اپنے عروج کی طرف محو سفر ہے اور نہ جانے آگے چل کر کیا صورت اختیار کرتا ہے کوئی بھی قانون اور قاعدہ اسی وقت مؤثر ہوسکتا ہے جب وہ معاشرتی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ تبدیل ہونے کی صلاحیت رکھتا ہو اگر ایسا نہ ہو تو پھر قانون اور قاعدہ دم توڑ دیتا ہے اور معاشرہ اپنے لئے کوئی اور راہ اختیار کرلیتا ہے۔اس کی روانی کو کوئی روک نہیں سکتا۔حقیقت یہ ہے کہ معاشرہ خود اپنے مسائل کے حل کے لئے قانون بناتا ہے۔دین اسلام ایک آفاقی مذہب ہے۔ان الدین عند اللہ الاسلام کے اعلان کے بعد قیامت تک کوئی اور دین یا شریعت نہیں آئے گی۔جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دین اسلام ہی قیامت تک آنے والے انسانوں کی رہنمائی کرنے والا دین ہے اور دین اسلام میں ہی یہ خوبی ہے کہ وہ ہر دور کے معاشرے کی ضروریات پوری کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے موجودہ دور کی ترقی نے معاشرے پر گہرے اثرات مرتب کئے ہیں اور اسے یکسر بدل دیا ہے ہر معاملہ سائنٹفک بنیادوں پر ہو رہا ہے لہٰذا اب ضرورت اس بات کی ہے مقاصد شریعت کو پیش نظر رکھتے ہوئے عصری تبدیلیوں سے نبرد آزما ہونے کیلئے تازہ دم اسلامی فکر کو عام کیا جائے اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں جدید مسائل کا ایسا حل پیش کیا جائے جو ہماری حیات اجتماعی کی عصری ضرورتوں کو پورا اور مشکلات کو کم کرنے کا ضامن ہو۔زمانے کی دوڑ بہت تیز ہے۔ایسا نہ ہو کہ انسانی معاشرہ اپنا کوئی خود ساختہ انداز اختیار کرلے اور واپس اس کو راہ راست پر لانا ناممکن ہوجائے۔

مصادر ومآخذ

۱۔ القرآن۔القیامہ۔۳۶

۲۔ القرآن۔الملک۔۲

۳۔القرآن:الذاریات:۵۶۔

۴۔ زیدان، عبدالکریم، دکتور: الوجیز فی اصول الفقہ: بیروت۔موسسۃ الرسالہ۔۱۹۸۷ص۳۷۸۔

۵۔عزبن عبدالسلام: قواعد الاحکام: مصر، مکتبۃ الحسینیہ المصریہ ۱۹۳۴۔ص۱۵۶۔ج۲۔

۶۔شاطبی، ابراہیم بن موسیٰ: الموافقات فی اصول الاحکام: مصر، مطبعۃ المدنی۔۱۹۶۹ ص۱۳۔ج۲۔

۷۔ شاطبی، ابراہیم بن موسیٰ: الموافقات فی اصول الاحکام: محولہ بالا ص ا۔

۸۔ بہاری، محب اللہ بن عبدالشکور: مسلم الثبوت: دہلی، مطبع انصاری ۱۳۱۷ ص ۱۳۱۔

۹۔ ابن قیم محمد بن ابی بکر: اعلام الموقعین: مصر، مطبعۃ المنیریہ ۱۳۴۰ ص ا۔ ج ۳۔

۱۰۔ اسنوی، عبدالرحیم بن الحسن: نہایۃ السول شرح المنہاج الاصول: قاہرہ، مطبعۃ السلفیہ ۱۳۴۳۔ ص ۹۷۔ ج ۴۔

۱۱۔ شاطبی، ابراہیم بن موسیٰ: الموافقات فی اصول الاحکام: محولہ بالا۔ ص ۱۶، ۱۷۔

۱۲۔ زیدان، عبدالکریم، دکتور: الوجیز فی اصول الفقہ: محولہ بالا ص ۳۷۸۔

۱۳۔ شاطبی، ابراہیم بن موسیٰ: الموافقات فی اصول الاحکام: محولہ بالا ص ۴، ۵۔ ج ۲۔

۱۴۔ ایضاً

۱۵۔ شاطبی، ابراہیم بن موسیٰ: الموافقات فی اصول الاحکام: محولہ بالا ص ۵۔

۱۶۔ شوکانی محمد بن علی بن محمد: ارشاد الفحول: مصر، مطبعۃ مصطفیٰ البابی۔ ۱۹۳۷: ص ۲۱۶۔

۱۷۔ غزالی محمد بن محمد، امام: المستصفےٰ مع فواتح الرحموت: مصر، مطبعۃ الامیریہ ۱۳۲۲ ص ۲۸۸۔ ج ا۔

۱۸۔ امیر بادشاہ محمد امیر: تیسیر التحریر: مصر، مطبعۃ مصطفیٰ البابی ۱۳۵۱۔ ص ۸۹۔ ج ۲۔

۱۹۔ شاطبی، ابراہیم بن موسیٰ: الموافقات فی اصول الاحکام: محولہ بالا ص ۹۔ ج ۳

۲۰۔ شاطبی، ابراہیم بن موسیٰ: الموافقات فی اصول الاحکام: محولہ بالا ص ۹۔

۲۱۔ غزالی محمد بن محمد، امام: المستصفےٰ مع فواتح الرحموت: محولہ بالا ص ۲۸۹۔ ج ا۔

۲۲۔ محمد تقی الحکیم: الاصول العامہ للفقہ المقارن: بیروت، دارالاندلس ۱۹۶۳۔ ص ۳۸۲۔

۲۳۔ شاطبی، ابراہیم بن موسیٰ: الموافقات فی اصول الاحکام: محولہ بالا ص ۵، ۶۔

۲۴۔ بہاری، محب اللہ بن عبدالشکور: مسلم الثبوت: محولہ بالا ص ۱۳۲۔

۲۵۔ محمد الخضری بک: اصول الفقہ: بیروت، مطبعہ دار احیاء التراث العربی ۱۹۶۹۔ ص ۳۰۱۔

۲۶۔ بہاری، محب اللہ بن عبدالشکور: مسلم الثبوت: محولہ بالا ص ۲۳۲۔

۲۷۔ غزالی محمد بن محمد، امام: المستصفےٰ مع فواتح الرحموت: محولہ بالا۔ ص ۲۹۰۔ ج ا۔

۲۸۔ شاطبی، ابراہیم بن موسیٰ: الموافقات فی اصول الاحکام: محولہ بالا ص ۶۔

۲۹۔ حسان، حسین حامد: نظریہ مصلحۃ فی الاسلام: مصر، مکتبہ المتنبی۔ ۱۹۸۱۔ ص ۲۳۲۔

۳۰۔ عمر سلیمان اشعث، دکتور: خصائص الشریعۃ الاسلام: کویت، دارالنفائس ۱۹۹۱۔ ص ۲۰۔

فقہ کی تفہیم میں سماج کی اہمیت۔ ایک مطالعہ

شیما ربانی☆

ا۔ اسلامی قوانین اور رومن قوانین

اسلام سے پہلے قدیم روایات اور رسم و رواج ہی عربوں کے معاشرے کی بنیاد تھے۔ جب اسلام ظاہر ہوا تو قرآن وحدیث کے احکام پر قانون سازی کی بنیاد رکھی گئی اور رسم و رواج کی اہمیت نسبتاً کم ہو گی۔

رسم و رواج کسی دلیل شرعی کی حیثیت تو نہیں رکھتے تاہم مختلف راستوں سے اسلامی قانون سازی میں داخل ضرور ہو گئے۔ بعض نصوص، خصوصاً بعض احادیث رواج پر مبنی ہیں جیسے گیہوں اور جو کہ یہ دونوں اناج پہلے ناپ تول کر فروخت کیے جاتے تھے۔

سنت تقریریہ نے عربوں کے بہت سے رواجات کو برقرار رکھا ہے۔ یعنی نبی کریم ﷺ نے بعض پسندیدہ عادات پر اپنی خاموشی کے ذریعے رضامندی کا اظہار فرمایا۔ اسی طرح جب عرب اپنی فتوحات کے دوران ان رواجات سے روشناس ہوئے جن سے پہلے واقف نہ تھے اور قرآن وحدیث کا کوئی حکم بھی ان کے خلاف نہ پاتے تھے تو انہیں اختیار کر لیتے تھے پھر وہی رواجات یا تو اجماع مجتہدین کے ذریعے یا دوسرے دلائل شرعی مثلاً استحسان کے ذریعے اسلامی قانون میں داخل ہو گئے۔

اس کی ایک مثال یہ ہے کہ علامہ ابوہلال عسکری نے "کتاب الاوائل" میں لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خراج ٹیکس کے متعلق جو قاعدے مقرر کیے وہ موما وہی ہیں جو نوشیروان عادل نے

☆ لیکچرار، بی۔ ای۔ سی۔ ایچ۔ ایس، گورنمنٹ کالج فار ویمن، کراچی

اپنے زمانہ حکومت میں وضع کئے تھے، یہ اتفاقیہ نہ تھا، بلکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دانستہ نوشیروان کے مقرر کردہ یہ قواعد لئے تھے۔

یہ خیال کہ شرع اسلامی اور رومی قانون میں ایک رابطہ پایا جاتا ہے بہت مشکل ہے اور اس میں بہت اختلاف رائے ہے بعض علماء کا خیال ہے کہ شرع اسلامی رومی قانون سے متاثر ہوئی ہے بعض لوگوں نے اس کی تردید کی ہے اور بعض نے اس بارے میں راہ اعتدال اختیار کی ہے۔

۱۔ پہلے گروہ میں زیادہ تر مستشرقین اور علمائے مغرب ہیں۔

۲۔ دوسرے گروہ میں عالم فائز الفوری، عالم عارف الکندی وغیرہ ہیں۔

۳۔ تیسرے گروہ میں جناب محمد حافظ صبری وغیرہ شامل ہیں۔

دنیا کی مختلف معاشرتیں اپنے قواعد کلیہ کے لحاظ سے ہمیشہ ایک دوسرے سے مشابہ رہی ہیں اور کبھی کبھی ان فروعی احکام میں بھی مشابہت پائی جاتی ہے جو ایک قسم کے اسباب ومصالح پرمبنی ہے۔ یوں تو مختلف اقوام کے قوانین میں مشابہت کا پایا جانا ایک قدرتی امر ہے اور یہ بھی تسلیم شدہ ہے کہ شرع اسلامی اور رومی قانون کے قواعد کلیہ اور احکام جزیہ میں مشابہت پائی جاتی ہے۔

شرع اسلامی پر رواجات رومی کا اثر قابل غور ہے۔ شرع اسلامی کا ماخذ صرف کتاب اور سنت ہے اور یہ دونوں ماخذ نبی کریم ﷺ کے ذریعے وحی الٰہی ہی کی شکل میں تشریع اسلامی کے دور اول میں مسلمانوں تک پہنچے اور یہی وہ زمانہ تھا جب اسلامی زندگی نہ تو جزیرہ عرب سے آگے بڑھی تھی اور نہ ہی رومی ثقافت سے اس کا اتصال ہوا تھا۔

لیکن جب فتوحات اسلامی کا دائرہ وسیع ہوا اور رومی سلطنت کے بعض مقبوضات مسلمانوں کے زیر نگین آ گئے جیسے مصر وشام تو مسلمان فقہاء اور قاضیوں نے ان ممالک کے رواجات کو شرع اسلامی کے معیار پر جانچا اور تفصیلی دلائل شرعیہ کے ذریعے قبول کرنا شروع کر دیا اور جو رواجات شرع اسلامی کے خلاف تھے انہیں ترک کر دیا اور ان کے عدم جواز کا فتویٰ دیا۔

ان رواجات میں تجارتی رواجات بھی شامل تھے، فقہ اسلامی نے صرف ان تجارتی رواجات ہی کو قبول نہیں کیا بلکہ اسی طرح ان تمام ملکوں کے رواجات کو بھی برقرار رکھا جو حکومت اسلامی کے تابع تھے۔ ان مفتوحہ ممالک میں سے بعض ایسے بھی تھے جو رومی حکومت کے ماتحت نہ تھے جیسے عراق، فارس اور ترکستان وغیرہ۔

تاریخی واقعات بھی تمدن کی تبدیلی اور ترقی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ چنانچہ فتوحات اسلامی

بھی اس عالم گیر نظام سے خارج نہیں ثقافت اسلامی کا ان قدیم ثقافتوں کے ساتھ امتزاج ہوا جو ممالک مفتوحہ میں پھیلی ہوئی تھیں۔

یہ تجارتی رواجات تھے جو عرب اور بحر متوسط کی دیگر قوموں میں بھی پائے جاتے تھے اور جن سے اہل روم خود پہلے متاثر ہوئے تھے اور انہوں نے مسلمانوں سے پہلے ہی ان رواجات کو اپنے قانون میں شامل کر لیا تھا۔ شرع اسلامی جس طرح چند غیر ملکی رواجات سے متاثر ہوئی اسی طرح اس نے جدید معاشرتوں پر بھی اپنے اثرات چھوڑے ہیں۔

روم کے علاوہ یہ بھی خیال ہے کہ اسلامی قوانین فارس کی روایات وقدیم رواجات سے بھی متاثر ہوئے۔ علامہ طبری، اور ابن الاثیر نے اس کی صاف الفاظ میں تصریح کی ہے۔

ایک مقنن جب کسی ملک کے لئے قانون بناتا ہے تو ان تمام احکام اور رسم ورواج کو سامنے رکھ لیتا ہے جو اس ملک میں اس سے پہلے جاری تھے۔

خیال ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی یہ کیا ہوگا، لیکن اس حیثیت سے وہ رومن لاء کی نسبت ایران کے قدیم قانون سے زیادہ مستفید ہوئے ہوں گے کیونکہ اول تو وہ خود فارسی الاصل تھے اور ان کی مادری زبان فارسی تھی۔ دوسرا ان کا وطن کوفہ تھا۔

غرضیکہ اس امر سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ فقہ حنفی میں ایسے مسائل موجود ہیں جو عرب اور عراق میں اسلام سے پہلے معمول بہ تھے لیکن اس میں فقہ حنفی کی خصوصیت نہیں۔ یہ سلسلہ اوپر آتا ہے۔ جو مسائل آج اسلام کے مسائل خیال کئے جاتے ہیں اور خود قرآن مجید ان کا ذکر کرتا ہے ان میں متعدد ایسے ہیں جو زمانہ جاہلیت میں معمول تھے۔

لہٰذا یہ حقیقی امر ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اسلامی سلطنت کی وسعت میں اضافہ ہوا اور مسلمانوں اور اسلام کا تعلق دیگر اقوام جن میں پہلے سے ہی قدیم عظیم سلطنتوں کے رواج موجود تھے جن میں روم، بازنطینی اور ایرانی شامل تھے، پیدا ہوا۔ اس لیے وہ اثرات کسی نہ کسی لحاظ سے اسلامی ثقافت، تمدن، قانون اور رسم ورواج کو ترقی دینے اور اس میں تنوع پیدا کرنے کا باعث بنے۔

۲۔ عہد بنو عباس میں فقہ حنفی کا فروغ اور اثر

بنو امیہ کے زوال میں جہاں دیگر عوامل شامل تھے ان ہی میں دو بہت اہم محرکات یہ بھی رہے کہ بنو امیہ کو حکمرانوں کی حیثیت سے رد کر دیا گیا کہ انہوں نے اپنی توجہ سیاسی لحاظ سے دنیا کی تسخیر کی جانب کر لی تھی اور مذہب کے لحاظ سے اہم بنیادی اصول کو فراموش کر دیا تھا، اس بات کی شکایت

معاشرے کے اس طبقے میں پیدا ہوئی جو کہ "موالی" کہلاتا تھا۔ جس میں تمام غیر عرب اور ایرانی شامل تھے لہٰذا یہ خواہش عام ہونے لگی کہ اسلامی سلطنت میں وہ انتظام واپس لایا جائے جو کہ "مدینہ میں خلفاء راشدین" کے دور میں تھا۔

انتظامی لحاظ سے بدنظمی کے علاوہ قانونی بدنظمی کی شکایت بھی بنو امیہ کے زوال میں حصہ دار رہی۔ کیونکہ بنو امیہ کے دور زوال میں عدالتیں اسلامی قوانین کو نافذ کرنے اور تشریح کرنے میں ناکام ہونے لگی تھیں۔ لہٰذا یہ دو بڑے خلاء پیدا ہو گئے تھے جس کی وجہ سے بالآخر بنو امیہ کی حکومت کو بنو عباس نے ۱۳۲ھ ۷۵۰ء میں ختم کر دیا۔

عہد عباسیہ میں عدالت و عام انتظام میں تبدیلیاں پیدا ہوئیں عہد عباسیہ میں عدالتی نظام میں زبردست انقلاب پیدا ہوا۔ اس دور میں "مذاہب اربعہ" کے ظہور کی وجہ سے اور قاضی کے فکر و نظر کا دائرہ انہی مذاہب میں سے کسی نہ کسی تک محدود ہو گیا، اس دور میں عراق کے قاضی امام ابو حنیفہ کے مذہب کے مطابق شام اور بلاد مغرب کے قاضی امام مالک کے مذہب کے مطابق اور مصر کے قاضی امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مذہب کے مطابق فیصلے کرتے تھے۔

اس دور کے قاضی خلیفہ کے اثر و اقتدار سے آزاد نہ تھے۔ کیونکہ عباسی حکمران اپنے تمام اعمال و افعال کو مذہبی رنگ میں پیش کرنا چاہتے تھے لہٰذا وہ قاضی کے انتخاب میں اس بات کا لحاظ رکھتے تھے کہ وہ ان کے رجحانات و خواہشات سے انحراف تو نہیں کرے گا۔

عباسیوں نے اپنے عہد میں "قاضی القضاۃ" کا منصب قائم کیا جو عہد جدید کے وزیر عدل و انصاف کے ہم پلہ ہوتا تھا۔ اس کا تقرر خلیفہ کی طرف سے کیا جاتا تھا۔ "قاضی القضاۃ" دار السلطنت میں قیام کرتا تھا اور وہ تمام عالم اسلامی میں قاضیوں کی تقرری کرتا تھا۔ اس عہدے پر سب سے پہلے "امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مامور ہوئے انہیں ہارون الرشید نے مقرر کیا تھا، عہد عباسیہ میں ہر صوبہ میں "مذاہب اربعہ" کی نمائندگی کے لیے چار قاضی مقرر کیے جاتے تھے جبکہ بنو امیہ کے عہد میں ہر صوبہ میں ایک قاضی مقرر ہوتا تھا۔

عباسیہ دور عروج میں قاضی القضاۃ کے اختیارات و فرائض بہت وسیع ہو گئے تھے اور دیوانی، فوجداری کے علاوہ اوقاف محکمہ وصایا، پولیس، مظالم، قصاص، احتساب دار الضرب (ٹکسال) اور بیت المال کے شعبے اسی کے ماتحت تھے۔ عہد بنو عباس کے عروج کے دور کے مشہور قاضی القضاۃ امام یوسف، یحییٰ بن اکثم، احمد بن ابی داؤد شمار کیے جاتے تھے۔

جو فقہ، فقہ حنفی کہلاتا ہے در حقیقت چار شخصیات یعنی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، زفر، قاضی ابو یوسف اور امام محمد شیبانی کا مجموعہ ہے یہ مسائل جو فقہ حنفی کے نام سے موسوم ہیں نہایت تیزی سے تمام مملکت میں پھیل گئے البتہ عرب میں ان مسائل کو رواج نہ ہوا کیونکہ مدینہ میں امام مالک اور مکہ میں آئمہ ان کے حریف مقابل موجود تھے۔ لیکن عرب کے علاوہ شمال مشرق اور مشرقی علاقوں جن میں سندھ سے ایشیائے کوچک تک کا علاقہ تھا اس ہی طریقے کا رواج ہو گیا۔ ہندوستان، سندھ، کابل، بخارا، وغیرہ میں تو ان کے اجتہاد کے سوا کسی کا اجتہاد تسلیم ہی نہیں کیا جاتا۔

حنفی مذہب کے فروغ کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ بنو عباس کے دور زوال کے ریاستی حکمران جو کہ "سلطان" کہلاتے تھے ان میں اکثر حنفی تھے جن کی وجہ سے ان کے اپنے اپنے علاقوں میں اس مذہب کا رواج باقی رہا۔ ان میں آل سلجوق کے حکمران، اتابک موصل کے حکمران اور ایوبیہ حکومت کے فرمانروا جو کہ شافعی مذہب کے ساتھ ساتھ ان کے افراد حنفی فقہ کو بھی اہمیت دیتے تھے۔

ان کے علاوہ سقوط بغداد کے بعد قائم ہونے والی، عثمانی حکومت کے بھی سلاطین حنفی فقہ کے ماننے والے تھے۔

فقہ حنفی کے فروغ کے سلسلے میں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جن علاقوں میں اس کو فروغ حاصل ہوا وہ سب ترقی یافتہ علاقے تھے۔ جب ایرانیوں کی مدد سے سلطنت عباسیہ قائم ہوئی اور عربوں اور ایرانیوں کے درمیان اختلاط ہوا تو معاشرے پر ایران کے تہذیبی و ثقافتی اثرات نمایاں طور پر نظر آنے لگے جس کے باعث عراق اور فارس کے علاقوں میں بنو عباس کی عظیم الشان تہذیب و معاشرت قائم ہو گئی جس میں وہ سادگی جو کہ عربوں کا اور ان کی معاشرت کا خاصہ تھی، ختم ہو گئی۔ یہی وجہ ہے سیرۃ النعمان میں علامہ شبلی نے لکھا ہے کہ دیگر آئمہ کے مذاہب کو زیادہ تر فروغ انہی ملکوں میں ہوا جہاں تہذیب و تمدن نے زیادہ ترقی نہ کی اور جہاں بدویت غالب رہی۔

جبکہ فقہ حنفی کو ممالک مشرق میں فروغ ہوا کہ جہاں بے شمار نئے مسائل نے جنم لیا تھا اور حنفی طریقہ فقہ انسانی ضرورتوں کے لئے نہایت مناسب اور موزوں رہا جن کے تحت ان مسائل کے حل تلاش کیئے جا سکے جو کہ نئی معاشرت و ثقافت کے وجود میں آنے کی وجہ سے پیش آ رہے تھے۔ ان ہی وجوہات کی بنا پر فقہ حنفی کو فروغ حاصل ہوا اور آج بھی ہے غرضیکہ اس فقہ کے فروغ میں سیاسی، ثقافتی، نسلی اور معاشرتی، قانونی ضرورتیں حصہ دار رہیں اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ قوانین کے ایک ضخیم مجموعے کا روپ دھار لیا۔

۳۔ مدینہ و اندلس پر عرب کے اثرات ۔ مالکی فقہ کا فروغ

امام مالک کا فقہی مسلک سب سے پہلے حجاز میں پھیلا اور ایسا ہونا ایک قدرتی امر تھا کیونکہ اس کی ابتداء یہاں سے ہی ہوئی تھی اور یہ کہ لوگوں نے امام مالک کو اپنے درمیان پایا تھا وہ سوائے حج کے کبھی بھی مدینے سے باہر تشریف لے گئے تھے حجاز کی معاشرت سادہ تھی اور بدوی تھی جس کی وجہ سے بھی مالکی فقہ نے اس علاقے میں فروغ پایا کیونکہ یہ فقہ سادہ و واضح اور بنیادی اصولوں پر قائم کیا گیا تھا اور اسی علاقے کے مسائل پر بحث کر رہا تھا جو اس معاشرت کا حصہ تھے لہٰذا ہر خاص و عام کیلئے توجہ کا ذریعہ بنے۔

حجاز کے بعد فقہ مالک کی ترویج و اشاعت مصر میں ہوئی مصر میں فقہ مالک کو متعارف کرانے کے بارے میں اولین ذریعہ ان کے شاگرد عبد الرحمٰن بن قاسم یا پھر عثمان بن حکم (۱۶۳ھ) کو بیان کیا جاتا ہے ان افراد کے بعد کے شاگردوں نے اس خطے میں فقہ مالک کی ترویج و اشاعت میں بھرپور حصہ لیا یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ حجاز کے علاوہ مصر میں بھی فقہ مالکی ان کی اپنی زندگی میں ہی رائج ہو گیا تھا۔ امام مالک کی وفات ۱۷۹ھ میں ہوئی۔

فقہ مالکی کا سب سے پائیدار اور وسیع تر اثر و رسوخ مغرب پر ہوا اور دوسرے فقہی مسالک تونس، مراکش، لیبیا اور اندلس میں مالکی مسلک کو مغلوب نہ کر پائے۔

اندلس میں فقہ مالکی کے فروغ کا ایک سبب ان کے شاگرد ہیں۔ جنہوں نے براہ راست امام مالک سے حدیث وفقہ کا درس لیا تھا یہ منفرد شاگرد یحییٰ بن یحییٰ المصمودی ہیں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یحییٰ کے ذریعے تیسری صدی ہجری کے اوائل ہی میں اندلس کے تمام علمی و دینی اداروں پر امام مالک کے علوم چھا گئے مغرب میں مالکی مسلک کے فروغ کی ایک بنیادی وجہ یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ یہاں کا تمدن بھی حجازی تمدن کی طرح سادہ اور تکلفات سے آزاد تھا اور دونوں علاقوں کے درمیان تہذیبی و معاشرتی ہم آہنگی مغرب میں مالکی فقہ کی ترویج کا ذریعہ بنی۔

ابن خلدون نے اس پر تبصرہ یوں کیا ہے کہ:

"اندلس اور مغرب کے لوگ عام طور پر سیدھے حجاز جاتے تھے اور وہیں ان کا سفر ختم ہو جاتا تھا مدینہ ان دنوں علم کا مرکز تھا۔۔۔۔ عراق پاسی اور خطے سے انہیں کوئی سروکار نہ تھا امام مالک ہی ان کے شیخ اور امام مجتہد تھے۔"

قبول عام کی ایک بنیادی وجہ یہ بھی ہوئی کہ اس علاقے کے لوگ سیدھے سادے اور دیہاتی

طرز بود و باش کے عادی تھے اور عراق کے مہذب پر تکلف معاشرے سے کوسوں دور تھے اس لئے حجاز کے طرز سے ہی متاثر ہوئے۔

فقہ مالکی کے اس علاقے میں فروغ کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ سیاسی لحاظ سے یہ پورا خطہ ابتداء سے طویل عرصے تک عربوں کے زیر اثر رہا تھا کیونکہ اس علاقے کی فتح اور اسلامی مملکت میں شمولیت بھی عربوں کے دور میں ہوئی تھی اور یہاں پر ابتداء سے انتظام حکومت ان ہی کا قائم کردہ رہا تھا اور بنو امیہ دمشق کی حکومت کے زوال کے بعد بھی کچھ ہی عرصے میں اندلس میں دوبارہ بنو امیہ کی خود مختار سلطنت قائم ہو گئی جو کہ اپنی اساس میں عرب تھی جس سے یہاں کی مقامی آبادی کو ہمدردی رہی تھی لہٰذا یہاں کے ماحول میں بنو عباس کا طریقہ حکومت و فقہ معاشرت جو کہ ایران سے متاثر نظر آتی تھی کی پیروی نظر نہیں آتی۔ جس کی بنیادی وجہ بنو امیہ اندلس عباس بغداد کا آپس میں سیاسی اختلاف بھی ہے۔

لہٰذا یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اہل حجاز میں اپنی اتحاد و اتفاق اور ذہنی و فکر ہم آہنگی کی وجہ سے مالکی فقہ نے اندلس و مغرب میں بھرپور فروغ پایا اور ان کا اثر آج تک اس علاقے میں نظر آتے ہے۔

اندلس میں فقہ مالکی کے فروغ میں جن شخصیات کا نام لیا جاتا ہے ان میں ایک نام ابو الولید محمد بن احمد ابن رشد بھی ہیں جو کہ ۴۵۰ھ میں قرطبہ میں پیدا ہوئے یہ خاندانی اعتبار سے بھی اثر رکھتے تھے۔ ان کے باپ دادا بھی قرطبہ کے قاضی رہے تھے جبکہ وہ بھی قرطبہ کے علاوہ اشبیلیہ کے قاضی رہے۔ آپ کی علمی حیثیت اور حکومتی منصب اس مسلک کی اشاعت و فروغ کا ذریعہ بنے انہوں نے ۹ صفر ۵۹۵ھ کو وفات پائی۔

غرض یہ کہ مالکی فقہ بھی اسلامی سلطنت کے ایک بڑے حصے کو متاثر کرنے میں کامیاب رہا۔

۴۔ مصر و مغرب اقصیٰ پر شافعی فقہ کا اثر و فروغ

حضرت عمرو بن العاص مصر کی تسخیر کے بعد ذمی قاضیوں کو اپنے منصب پر برقرار رہنے دیا اسی زمانے میں حضرت عمر نے قاضی القضاۃ کے منصب پر قیس بن ابی العاص کو مامور فرمایا تھا۔ عدالت کا اجلاس جامع عمرو بن العاص میں ہوا کرتا تھا بنی امیہ کے دور میں بھی خلافت راشدہ کا ہی طریقہ کار رائج رہا اور ان کے طریقہ عمل میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی قاضی کے اختیارات و فرائض کا دائرہ وسیع ہو گیا اور اب اسے دیوانی، مذہبی اور فوجداری کے ساتھ ساتھ پولیس سے متعلق مقدمات کی سماعت کے اختیارات حاصل ہو گئے۔

عہد بنو امیہ کے قاضیوں کے مبلغ اعتبار اور آزاد منشی کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ ذمیوں گواہوں کی شہادت ان کی مادری زبان میں سننے میں کوئی تامل نہ تھا اموی خلفاء قاضیوں کی کڑی نگرانی رکھتے تھے اگر انہیں ان کی کسی کمزوری یا بے انصافی کا علم ہو جاتا تھا تو کبھی اس سے چشم پوشی نہ کرتے تھے۔

مصر میں عباسی عہد کے قاضیوں نے عدالت کے نظام میں بہت سی مفید اصلاحات کی تھیں قاضی غوث نے محکمہ عدلیہ کو ان تمام برائیوں سے جو اس میں سرایت کر گئی تھیں پاک کر لیا اس زمانہ کا نظام عدالت اپنی خوبیوں کے ساتھ عیوب و نقائص سے بھی خالی نہ تھا اس کی وجہ سیاسی نظام کی وہ پراگندگی تھی جس نے عالم اسلام کی مرکزیت کا خاتمہ کر دیا تھا۔

اس دور کے قاضیوں میں ابن مسروق کندی سب سے مشہور قاضی گزرے ہیں۔ مقدمہ میں مورخ ابن خلدون نے مصر میں شافعی مسلک کے اجراء اور فروغ کا تذکرہ اس طرح کیا ہے کہ:

"امام شافعی کے مقلدین کی تعداد دوسرے علاقوں کی نسبت مصر میں زیادہ تھی یہاں شیعہ سلطنت کے ظہور سے اہل سنت کی فقہ معدوم ہو گئی اور وہاں اہل بیت کی فقہ نے رواج حاصل کر لیا اور دوسرے مذاہب کی فقہ معدوم ہو گئی یہ صورت سلطان صلاح الدین ایوبی کے مصر پر قبضہ تک باقی رہی چنانچہ سلطان صلاح الدین کے تسلط حاصل کر لینے کے بعد فقہ شافعی اور ان کے اصحاب عراق و شام سے دوبارہ مصر چلے۔

دولت فاطمی کے آنے سے پہلے تک مصر شافعی مذہب کا مرکز اور وطن تھا اور ان کے بعد سلطان صلاح الدین ایوبی نے اس مذہب کو دوبارہ بحال کیا اس سلطنت میں شافعی مذہب کے مطابق ہی فیصلے ہوتے رہے اور عہدہ قضاۃ شافعی علماء کے ہاتھ میں ہی رہا کچھ عرصے بعد ایک تجویز پر قاہرہ اور فسطاط میں ہر مذہب کے الگ قاضی مقرر ہونے لگے جامع الازہر کے شیخ بھی عام طور پر شافعی مسلک کے لوگ ہی ہوئے۔

۳۰۰ھ میں شمالی افریقہ اور اندلس میں بھی اس مذہب نے رسوخ حاصل کر لیا۔ مگر بعد میں شافعی مسلک کے قدم یہاں پر نہ جم سکے اور مالکی مذہب کا اثر غالب آ گیا۔

امام شافعی وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اصول و احکام مرتب کئے اور اصول فقہ کو علمی حیثیت سے اپنے مشہور رسالے میں لکھا۔ ایوبیوں نے جب فاطمیوں کی خلافت کا خاتمہ کیا تو فقہ کی تعلیم کیلئے مصر میں دو مدرسے قائم کئے ان میں ایک شافعی اور دوسرا مالکی تھا مگر کچھ عرصے بعد شافعی مسلک پھیلنے لگا

مملوکوں کے عہد میں مذاہب اربعہ کے چار قاضی مقرر کر دیے گئے اس سے پہلے صرف ایک قاضی کی عملداری میں تمام مملکت ہوتی تھی۔

غرض یہ کہ فقہ کی ابتداء تو ان واضح مذاہب اربعہ سے پہلے ہی بنی امیہ کے عہد میں صحابہ کرام کر چکے تھے مگر اس میں تیزی بنو عباس کے دین سے رغبت کے رویے سے زیادہ آئی کیونکہ ان کی حکومت حاصل کرنے کا ایک جواز یہ بھی تھا کہ وہ رسول ﷺ کے قرابت دار ہونے کی وجہ سے دینی واقفیت بھی زیادہ رکھتے ہیں اس لئے امت مسلمہ کے دینی رہنما پیشوا بھی ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ خلیفہ ہارون الرشید کے عہد میں علماء و فقہا کی خوب قدر و منزلت تھی انہیں بلند منصب عطا کئے جاتے تھے یہ رنگ دیکھ کر بھی لوگوں کا رجحان فقہ کی جانب ہوا۔ اس لئے جب اس ماحول میں امام شافعی نے آنکھیں کھولیں تو حدیث و فقہ کو ہی بلند مرتبہ علم پایا اور اس جانب توجہ دی امام شافعی کے زمانے میں فقہ مدون ہو چکی تھی لہذا ان کو فقہ کا مواد خام اور چند صورت وافر طور پر موثر آئی جس سے انہوں نے علم کے حصول میں کافی فائدہ اٹھایا اور اس کو جدید انداز میں مرتب کیا جس کا فروغ خود ان کی زندگی میں ہی نہ صرف مصر میں بلکہ کسی حد تک عراق و خراسان تک بھی پھیل گیا۔

ویسے بھی یہ وہ زمانہ تھا کہ دولت اسلامیہ کی حدود مملکت وسیع تر ہو چکی تھی مغرب میں اندلس سے لے کر مشرق میں چین تک کے علاقے اس کا حصہ تھے لہذا اتنے وسیع علاقے کے لوگ اپنے اپنے ماحول و مسائل کے لحاظ سے علم فقہ کے مختلف مذاہب سے فائدہ اٹھا رہے تھے جس سے اس علم میں وسعت و تنوع پیدا ہو گیا۔

۵۔ برصغیر میں حنفی فقہ کا اثر و فروغ

برصغیر پر مسلمانوں کے حملوں کا سلسلہ بہت قدیم زمانے سے شروع ہو چکا تھا۔ مسلمانوں نے سب سے پہلا حملہ آنحضرت ﷺ کے وصال کے کچھ عرصے بعد ۱۵ھ میں کیا تھا۔ اس کے بعد ان حملوں کا سلسلہ اٹھارہویں صدی عیسوی تک جاری رہا اس عرصے میں مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد نے برصغیر میں مستقل سکونت اختیار کر لی اور یہاں اسلامی تمدن کو فروغ دیا۔

حضرت امیر معاویہ کے عہد میں مہلب بن ابی صفرہ نے بلاد سندھ پر حملہ کیا اور پیش قدمی کرتے ہوئے ان علاقوں تک پہنچ گیا جو کابل اور ملتان کے درمیان واقع ہیں۔ اس کے کچھ عرصے بعد محمد بن قاسم نے سندھ کا رخ کیا اور دریائے سندھ تک پہنچ گیا۔

عباسیوں کے دور میں ابو جعفر المنصور نے ہشام بن عمر تغلبی کو سندھ کی مہم پر روانہ کیا اور ملتان

تک کے علاقے کو فتح کرلیا، مہدی کے دور خلافت میں مسلمانوں نے ۱۵۹ھ میں ایک بار پھر حملہ کیا اور شہر باربد کا محاصرہ کرلیا اور اسکو فتح کرلیا۔ مامون کے عہد خلافت میں سندھ و ہند میں مسلمانوں کی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا اور معتصم کے عہد میں کابل سے لے کر کشمیر اور ملتان تک اسلام پھیل گیا تھا برصغیر میں فقہی مسائل کا آغاز اس وقت ہی ہوگیا تھا جب محمد بن قاسم اور اسکے رفقائے کار کے قدم سندھ میں پہنچے۔ نئی مملکت میں نو واردوں کو جو مسائل حل کرنے پڑے ان میں سب سے اہم غیر مسلم آبادی کی نسبت نئی حکومت کا نقطۂ نظر تھا مقامی ہندو تھے، بدھ مت کے ماننے والے تھے۔ یہ لوگ اہل کتاب نہ تھے لیکن عرب فاتح نے مقامی ہندوؤں اور بدھ مت کے ماننے والوں کو وہ تمام رعائتیں دیں، جو اہل کتاب یہودیوں، عیسائیوں کو شریعت اسلامی میں حاصل تھیں۔

مقامی عبادت گاہوں کے متعلق فتوح البلدان میں محمد بن قاسم کا قول درج ہے کہ: "یہ بت کدے ہمارے لئے عیسائیوں اور یہودیوں کی عبادت گاہوں اور مجوسیوں کے آتش کدوں کی طرح ہیں"۔

اس بات سے عربوں کے اس طریق کار کا پتہ چلتا ہے جو انہوں نے پہلی صدی ہجری میں (آئمہ اربعہ کی تدوین فقہ سے بہت پہلے) اختیار کر رکھا تھا۔

حجاج بن یوسف نے محمد بن قاسم کو جوابی خط میں لکھا تھا کہ "جب لوگوں نے ہماری اطاعت قبول کرلی ہے اور دارالخلافہ کی طے کردہ رقم کی ادائیگی کا ذمہ لیا ہے تو پھر ہمارا ان پر مزید حق نہیں رہتا اس لئے کہ اب وہ ذمی ہوگئے ہیں۔ (چچ نامہ ص ۲۱۳)

سندھ میں محمد بن قاسم کی واپسی کے بعد بھی ملکی معاملات میں یہ طریق کار جاری رکھا گیا۔ فقہی و دینی نقطۂ نظر سے بعد میں یہاں کافی کشمکش شروع ہوگئی۔ امویوں کے جانشین عباسی تھے ان کے زمانے میں ان کے مخالف فاطمی خلفاء نے یہاں اپنی تبلیغ کا سلسلہ شروع کیا اور بالآخر وہ کچھ عرصے کیلئے ملتان اور منصورہ پر قابض ہوگئے اس دور کے مشہور فقیہ قاضی ابومحمد منصوری تھے جو اپنے مذہب ظاہری کے امام سمجھے جاتے تھے اور منصورہ کا عہدہ قضا ان کے سپرد تھا۔

عہد غزنوی میں سلطان محمود غزنوی نے ملتان منصورہ کی اسمٰعیلی حکومت کا خاتمہ کرکے اہل السنت والجماعت کے طریقوں کو تقویت پہنچائی اور لاہور پر حکومت قائم ہوجانے سے اس علاقے میں سیاسی اور فقہی امور میں وسط ایشیا سے رابطہ کا آغاز ہوا۔ اب تک ہندوؤں کے ساتھ وہی روادارانہ طرز عمل جاری رہا مگر جب دہلی میں اسلامی حکومت قائم ہوئی اور بالخصوص چنگیز خان کے ظلم و ستم سے پناہ لینے کیلئے التمش کے زمانے میں بیشمار علماء و فقہاء دہلی میں جمع ہوگئے تو ہندوؤں کے بارے میں ایک بار پھر

سوال اٹھایا گیا۔ چنانچہ وقت کے معتبر ترین علماء سلطان التمش کے پاس پہنچے اور اس مسئلے کو شرح سے بیان کیا اور کہا کہ دین حنفی کا تقاضا ہے کہ ہندوؤں سے فقط خراج و جزیہ پر اکتفا نہ کیا جائے اور ان کے لئے "اما القتل واما الاسلام" کا حکم جاری ہو۔ بادشاہ نے ان کے ساتھ بات چیت کی اور پھر اپنے وزیر نظام الملک جنیدی کو حکم دیا کہ وہ علماء کو جواب دے چنانچہ وزیر نے علماء سے بحث کی اور کہا کہ اگرچہ ہندو اہل کتاب نہیں اور نہ ہی اہل ذمہ ہیں لیکن اس وقت ہندوستان میں ابھی ابھی ہماری حکومت قائم ہوئی ہے اس لئے اگر ہم یہ حکم جاری کریں گے تو عجب نہیں کہ ہر طرف ایک فتنہ برپا ہوجائے۔ لہذا اس کے جواب میں علماء نے چند شرائط کی منظوری کے بعد اس حکم کے نہ جاری کرنے پر رضامندی دی۔

اس زمانے کے ایک قابل ذکر عالم جن کی زیادہ شہرت بطور ایک ادیب اور مورخ کے ہے لیکن جس نے اس وقت کے فقہی رجحان پر بڑا اثر ڈالا۔ قاضی منہاج الدین بن قاضی سراج الدین جرجانی ہے جب لاہور پر سلطان محمد غوری کا قبضہ ہوا تو اس نے انہیں وہاں کا قاضی مقرر کیا۔ التمش کے عہد میں ان کو گوالیار کا قاضی مقرر کیا گیا ۱۲۴۱ء میں بہرام شاہ نے اسے شہر دہلی کا قاضی اور صدر الصدور مقرر کیا منہاج فقط قاضی، مورخ، شاعر اور خطیب نہ تھا بلکہ اس کے خاندانی تعلقات، وسیع طبیعت اور مذہبی رنگ نے اسے ایک ملکی اور سیاسی مدبر کا درجہ دے دیا تھا لیکن اپنی زندگی میں اس کی اصل اہمیت بطور ایک قاضی، عالم اور معلم کی تھی۔

ابتدائی دور میں اس کا مرتبہ بڑا بلند ہے برصغیر کی فقہی روایات کا سنگ بنیاد رکھنے میں اس کا بڑا ہاتھ تھا۔ قیام حکومت اسلامی کی پہلی نصف صدی کا اصل مورخ وہی ہے اس کو بعض مورخین کے نزدیک التمش، نظام الملک جنیدی کی طرح حکومت اسلامی کے ابتدائی معماروں یا بانیوں میں شمار کرنا چاہئے۔

برصغیر میں علم فقہ کی تعلیم و تدریس کی بنیاد اور اس سرزمین کی قانون اسلامی کی سب سے زیادہ رائج کتاب ہدایہ کو فروغ دینے کا شرف اس زمانے کے ایک اور عالم کو حاصل ہوا جن کا نام مولانا برہان الدین تھا۔ آپ ہی کا اثر تھا کہ ہدایہ اسلامی ہندوستان میں فقہ کی سب سے اہم اور اساسی کتاب ہوگئی۔

مولانا برہان الدین بلخی کو فروغ سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد میں ہوا۔ یہ زمانہ تعلیم و توسیع اور تعلیم اور علم فقہ کی ترویج کیلئے خاص طور پر سازگار تھا بغداد کی تباہی اسی زمانے میں ہلاکو خان کے ہاتھوں رونما ہوئی اور ان ممالک سے بے شمار علماء جان بچا کر ہندوستان آئے۔ بلبن نے ان کا بڑا احترام کیا۔ عہد بلبن میں فقہاء کی کثرت تھی فقہ پر اسلامی ہندوستان کی پہلی تصنیف بھی اسی زمانے سے متعلق ہے۔